شارع عام پر پاخانہ کرنا باعث لعنت ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ. [رواہ مسلم]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو لعنت کی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے دریافت فرمایا، حضرت لعنت کے دو سبب کیا کیا ہیں؟ کہا شاہ راہ اور سایہ میں پاخانہ کرنا۔''

فائدہ: اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور سایہ سے مراد وہ سایہ ہے جہاں عام طور پر آدمی دوپہر کو آرام کرتے ہوں، مثلاً: کوئی چھپر یا بڑا درخت جو آبادی کے بالکل قریب ہو اور راستہ سے مراد وہ راستہ ہے جو شارع عام ہو، مثلاً: گلی یا سڑک یا بازار وغیرہ اور راستے اس سے مستثنٰی ہیں جن پر کبھی کبھی کسی کا گزر ہو۔ کیوں کہ یہ گزرگاہ عام نہیں ہے۔''

دین کے بنیادی اصول ۴۵

مسئلہ : کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے: امام احمد رحمہ اللہ نے عقائد کے مسائل میں رجم اور چوروں سے لڑائی کا مسئلہ کیوں بیان کیا ہے؟ جب کہ اسماء وصفات کے مسائل پر گفتگو نہیں کرتے؟

جواب: امام احمد نے ابتداء میں کتاب وسنت کو مضبوط پکڑنے کا ذکر کرکے اسے کافی سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات جیسے مسائل پر ایمان اس میں شامل ہے۔ گویا آپ نے معروف مسائل کے لیے یہ رسالہ مرتب کیا، جو تقریباً اعمال سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا انہوں نے اعمال اور ان سے متعلقہ امور کو اگرچہ وہ فروعی مسائل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہاں بیان کیا۔ کیوں کہ آپ اور آپ کے بعد کے زمانوں میں ان مسائل میں لوگوں کا اختلاف تھا، اسی لیے آپ نے ان مسائل کو اہمیت دی۔ عموماً ائمہ کرام اس مسئلہ پر رسالہ لکھتے ہیں جس میں ان کا اپنے زمانے میں اختلاف ہو۔

اصول نمبر 46:...... وَمَنِ انْتَقَصَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوْ اَبْغَضَهُ بِحَدَثٍ كَانَ مِنْهُ اَوْ ذَكَرَ مَسَاوِئَهُ كَانَ مُبْتَدِعًا حَتّٰى يَتَرَحَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيْعًا، وَيَكُوْنُ قَلْبُهُ لَهُمْ سَلِيْمًا۔

''جو صحابہ کرام میں سے کسی کا کوئی نقص ذکر کرے، یا ان سے بغض رکھے ان کی کسی غلطی کی وجہ سے، یا ان کی برائی بیان کرے ایسا شخص بدعتی ہے۔ حتیٰ کہ ان سب کے لیے رحمہ اللہ کہنے لگے، اور اس کا دل ان تمام صحابہ کرام کے لیے (کینہ و بغض سے) صاف ستھرا ہو جائے۔''

صحابہ کرام کی فضیلت اور یہ کہ وہ انبیاء کے بعد تمام انسانیت میں سب سے افضل تھے کے بارے میں، بہت دلائل موجود ہیں:

① ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ [التوبة: ١١٧]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی، مہاجرین اور انصاریوں کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت آپ کی پیروی کی تھی۔''

② ﴿وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحشر: ١٠]

''اور جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف کر دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھنا، اے ہمارے ربّ! تو شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

رسول اللہ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو برا نہ کہو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے پھر بھی ان کے ایک یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

[صحيح بخاری: ٣٦٧٣۔ صحيح مسلم: ٢٥٤١]

فہرست

''انکشافات''

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

''وکی لیکس'' نامی ادارے، نیوز ایجنسی یا بلیک میلر کمپنی کے انکشافات نے بنیادی طور پر مسلمان ملکوں خصوصاً پاکستان اور سعودی عرب کی حکومتوں......کونشانہ بناتے ہوئے ان...... میں تہلکہ مچایا ہوا ہے اور ہر روز کوئی نہ کوئی نیا انکشاف ذرائع ابلاغ میں ہلچل مچا دیتا ہے جس سے حکمران ان اطلاعات سے خوف زدہ بھی رہنے لگے ہیں اور محتاط رہنے کا اظہار بھی کرنے لگے ہیں کیوں کہ وکی لیکس نے رازہائے درون پردہ تک رسائی پا کر حکمرانوں کا کچا چٹھ سب بیان کر دیا ہے۔

اس میں غور کرنے کے مختلف پہلو ہیں مثلاً:

اللہ تعالیٰ نے جن خوش نصیبوں کو اپنے گھر کی زیارت نصیب کی ہے انہیں اس کا خوب تجربہ ہے کہ حرم مکی میں جب ملتزم......حجر اسود کے اور بیت اللہ کے دروازہ کا درمیانی حصہ...... سے چمٹ کر انسان بارگاہ الٰہی میں طلب گار مغفرت ہوتا ہے تو اس وقت زندگی بھر کا کچا چٹھ...... جسے اب ویڈیو فلم بھی کہا جا سکتا ہے......نظروں کے سامنے اس تیزی سے گھوم جاتا ہے کہ ہر مسلمان وہاں پانی پانی ہو جاتا اور عرق ندامت میں ڈوب جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کو اس وقت اس بات کا حق الیقین ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر انسان کے ہر لمحے کو جاننے والا ہے جس کا پورا ریکارڈ (نامہ اعمال)......یا ویڈیو فلم......محفوظ ہے جو روز قیامت بارگاہ الٰہی میں حاضری کے وقت اس کے ساتھ ہی پیش بھی کیا جائے گا اور اس کی تصدیق بھی اس سے کرائی جائیگی۔ اور انکار کی صورت مین اس کی زبان، ہاتھ اور پاؤں اس کے نامہ اعمال کی تصدیق کر کے اس کو لاجواب کر دیں گے اور پھر چڑیوں کے کھیت چگ جانے کے بعد ہوت کا پچھتاوا کسی کام نہ آئے گا۔ ہم وکی لیکس کے انکشافات کو اس ناحیے سے دیکھیں اور غور کریں تو خیال آتا ہے کہ ہم نے یا ہمارے حکمرانوں نے کبھی یہ غور کیا کہ چند لمحوں کی ایسی باتیں باہر آنے سے ہم سراسیمہ ہو چکے ہیں کہ جن کی اصلاح یا مداوے کا وقت ابھی باقی ہے۔ جس...... قیامت کے......دن نہ اصلاح کی گنجائش ہوگی نہ مداوا ہو سکے گا اس دن ہمارا کیا حال ہوگا نیز قرآنی آیات کے مطابق زمین بھر سونے کا فدیہ بھی غلطیوں کے عوض کام نہ آئے گا اس دن کیا بنے گا اور ہم کہاں کھڑے ہوں گے؟ بس یہی تصور ممکن حد تک اگر انسان ہر لمحہ سامنے رکھے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں یقیناً خیر بھی عطا فرمائے گا اور فوز وفلاح سے بھی نوازے گا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہماری اغیار سے سرگوشیاں حکم الٰہی...... کہ یہود ونصاریٰ اور غیر مسلموں کو نہ دوست بناؤ اور نہ ہم راز،......کی کھلی خلاف ورزی بھی ہے اور وطن سے ناانصافی بھی۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی ذلت ہمیں تو مل گئی اور آخرت کے عذاب......اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی توفیق دیکر اس سے محفوظ رکھنے ......کا خطرہ ابھی باقی ہے۔ **اعاذنا الله منه** خلاّق قدرت کا شاہکار انسان اگر انسانوں کی خلوت تک پہنچ کر یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو پھر **علام الغیوب** اور **علیم بذات الصدور** سے کیا چھپا رہ سکتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں اس دن سے ڈرنا چاہیے جس دن ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وکی لیکس کے انکشافات عوام کے لیے اس زاویے سے سودمند کہے جا سکتے ہیں کہ اب تک لیڈروں کے بارے میں جن باتوں کو افواہیں اور سینہ گزٹ اور گمان کہا جاتا تھا۔ مدلل ہو کر وہ باتیں اب صفحۂ قرطاس بلکہ صفحۂ عالم پر ثبت ہو چکی ہیں۔ ان کی صحت پر اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اب تک وکی لیکس سے متأثرہ کسی فرد یا ادارے نے اس کی تردید کرنے کی جرأت نہیں کی ہاں البتہ ان باتوں پر غصہ، آئندہ کی حفاظتی تدابیر اور احتیاط کرنے کا اظہار کیا گیا ہے زیادہ سے زیادہ وکی لیکس کی اس حرکت کو غیر اخلاقی اور ناشائستہ کہا جا رہا ہے۔ لیکن اس کی تغلیط یا تردید کی جرأت کوئی نہیں کر سکا۔ ان

انکشافات سے پاکستان کے خدام......ایم پی اے/ ایم این اے اور سینٹ کے اراکین......کی حقیقت واضح ہوگئی کہ جو''حضرات'' دیکھنے میں سیدھے سادھے بھولے بھالے ہیں،ان کی اصلیت کیا ہے اوران کی مقاصد حیات کیا ہیں۔

وکی لیکس کے انکشافات خصوصاً حکمرانوں کی ذاتی وحکومتی ملاقاتوں کے تفصیلات ضروری نہیں کہ سب صحیح ہوں عالمی سیاست خصوصاً صلیبی سیاست سے جوحضرات آگاہی رکھتے ہیں انہیں یقیناً علم ہوگا کہ صلیب کواس بات کا خوب ادراک ہے کہ جب تک مسلمانوں کا باہمی تعاون،سوچ وفکر کا اشتراک اور ایک دوسرے سے خیرخواہی کا جذبہ ختم نہ ہوگا اوران میں افتراق وانتشار نہ بڑھے گا تب تک صلیب کامیاب نہ ہوگا۔ چنانچہ ترکی کی خلافت اسلامیہ کے حصے بخرے کرکے ہی مسلمان مملکتوں کے درمیان وہ اسرائیل قائم کرسکا۔سعودی عرب دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکزِعقیدت ومحبت ہے۔قیام پاکستان کے بعد جس مملکت نے وطن عزیز کی دامے،درمے،سخنے،قدمے ہمیشہ بےغرض مدد کی وہ صرف اورصرف حکومت سعودی عرب اورخصوصاً آل سعود تھی اورآج تک ہے۔حقیقت ہے کہ اہل پاکستان اگرشمار کرنا چاہیں بھی تو شمارنہیں کرسکتے کہ اس مملکہ اسلامیہ نے کن کن مواقع پر پاکستانی عوام کے قدم کے ساتھ اس مملکہ نے قدم نہیں ملایا۔ پاکستان کا حکمران جیسا بھی آیا اور جوبھی رہا اس نے حکومت سعودی عرب اورآل سعود کا بہ دل وجان احترام کیا۔اس لیے پاکستانی حکمرانوں کے بارے میں آل سعود کی طرف جن آراء وخیالات کا اظہار منسوب کیا گیا ہے کوئی پاکستانی اس پریقین کرنے کوتیارنہیں کہ آل سعود کی محبت، خلوص اور ایثار کبھی کسی حکمران کے لیےنہیں پاکستانی عوام کے لیے ہوتا ہے اس لیے ان انکشافات میں بغض مسلم کی بوچھن چھن کرآرہی ہے کہ ان دو برادر مسلم ممالک میں بغض ونفرت پیدا کرکے ان کے باہمی جذبہ تعاون اورایثاروخدمت کوگدلا کردیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکشافات کا یہ میلہ صلیبی دسیسہ کاری کا حصہ بھی ہو۔اس خیال کی مزید تائیدان خبروں سے ہوگئی کہ جن میں القاعدہ،لشکرطیبہ اور طالبان کی مالی معاونت کا مرکز سعودی عرب کوقرار دیا جارہا ہے۔

زرعی ٹیکس کیوں نہیں؟

عرصہ دراز سے پاکستانی عوام حکومتوں کے جن مظالم کا شکار ہیں ان میں معیشت بہتر کرنے کے عنوان پرٹیکسوں اورمحصولات (یعنی سرکاری واجبات) میں کبھی کسی نام پر اورکبھی کسی نام پر اشیائے ضرور یہ......خصوصاً ایندھن یعنی تیل،بجلی،گیس) میں اضافے ہیں مثلاً کسی دور میں مرحوم مشرقی پاکستان میں آنے والے سیلابوں کے نام پر پٹرول وغیرہ میں وقتی طور پر جو اضافے کئے جاتے رہے وہ آج اس کی اصل قیمت کا حصہ بن چکے ہیں پھر دھیرے دھیرے یا گاہے گاہے جو اضافے کئے جاتے رہے وہ الگ ہیں لیکن زرعی ٹیکس؟ مقتدر طبقہ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اقتدار کی غلام گردشوں کی رونق ہمیشہ جاگیردار ہی رہے۔صلیبی استبداد نے ہندوستان پر قبضے کے دوران اس سوچ اورفکر کورواج دیا اور پروان چڑھایا کہ چند خاندانوں کونواز کرنشہ حکمرانی میں مخمور کردو پھران خاندانوں پرخود حکمرانی کرواوران کوغریب عوام پرحکمرانی اورظلم کے حربے اورگرسکھاؤ۔ کیوں کہ ان خاندانی جاگیرداروں میں اچھے غلام اور برے حکمران بننے کے غیرمعمولی جراثیم ہوتے ہیں۔ جاگیردار،حکمران ہو یا اپوزیشن،اسلام پسند ہو یا اسلام گریز لغاری ہو یا مزاری، دریشک ہو یا کھوسہ، چوہدری ہو یا یا رانا میاں ہو یا خان بہادر مخدوم ہو یا پیرزادہ،ان سب کا نقطہ اتفاق یہی ہوتا ہے کہ حکمرانی جاگیرداروں ہی کے پاس رہے بھلے وہ کسی مسلک،عقیدے،نظریے اور خیالات کے حامی ہوں ہرصورت میں انہیں جاگیرداری مفادات کا تحفظ مطلوب ہوتا ہے۔حکمران نہ اپنے اللے تللے چھوڑتے ہیں، نہ عیاشیاں ترک کرتے ہیں اور نہ ترقیاتی فنڈز کے نام پر جاگیرداروں کی عطا بند کرتے ہیں اور نہ ہی یہ زرعی ٹیکس لگاتے ہیں اور نہ لگنے دیتے ہیں بس عوام کی اشیائے ضروریہ......ایندھن، ادویات،خوراک...... پرٹیکس لگاتے جاتے ہیں لیکن افسوس کہ ان سب کے باوجود غیرممالک سے سودی قرضوں کا تسلسل بھی جاری رکھتے ہیں اوران قرضوں کا سود دینے کے لیے عوام پرٹیکسوں کی بھرمار بھی جاری رکھتے ہیں اورمعیشت پھروہیں کی وہیں رہتی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ مینڈک کی یہ ٹیں ٹیں ان بلندوبالا ایوانوں تک کبھی نہ پہنچے گی پھر بھی ہم چاہیں گے کہ ہرطبقے، ہرسٹیج اور ہرسطح سے یہ اعلان ہوجانا چاہیے اوراس رائے کا اظہار ہونا چاہیے کہ جب تک زرعی ٹیکس نہ لگایا جائے گا تب تک معیشت کی درستگی ممکن نہیں،

ہم آہنگی

درس قرآن

قسط نمبر 18

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَآ مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ○ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ○ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ [ق : ۲۷۔۲۹]

''اس کا ساتھی کہے گا، اے ہمارے ربّ! میں نے اسے سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا تھا، ارشاد ہوگا، میرے سامنے مت جھگڑو، میں نے تمہیں پہلے ہی وعید سے خبردار کر دیا تھا، میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔''

مجرم کو جہنم کی سزا سنا دینے کے بعد اس کا ''قرین'' (ساتھی) اپنی صفائی پیش کرے گا، ''قرین'' سے مراد یہاں شیطان ہے، سیاقِ کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ مجرم اللہ کی عدالت میں اسے موردِ الزام ٹھہرائے گا کہ یہ ظالم میرے پیچھے پڑا رہا، اسی نے مجھے سبز باغ دکھائے، اسی نے مجھے راہِ حق سے گمراہ کیا، شیطان کہے گا: جناب! میرا اس پر کنٹرول نہیں تھا، میں نے زبردستی تو اسے سرکش نہیں بنایا یہ تو خود ہی گمراہی میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ اس کا پلٹنا مشکل تھا۔ یہاں شیطان کا یہ کہنا کہ ﴿مَآ اَطْغَيْتُهٗ﴾ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا۔ حالاں کہ اس نے تو کہا تھا:

﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [ص: ۸۲]

''تیری عزت کی قسم! میں ان تمام کو بالضرور گمراہ کروں گا۔''

ان دونوں میں بعض نے یہ توافق ذکر کیا ہے، کہ گمراہ کرنے کی بات تو اس نے اولادِ آدم سے انتقاماً کہی تھی، مگر جب عذاب کو دیکھا تو اپنی بات سے منحرف ہوگیا اور یہ کہنے لگا کہ میں نے گمراہ نہیں کیا اور بعض نے فرمایا ہے کہ ﴿مَآ اَطْغَيْتُهٗ﴾ کے معنی ہیں کہ یہ گمراہی ابتداءً میری طرف سے نہیں، میں نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ تم بالکل درست سمت پر چل رہے ہو اس کو چھوڑنا نہیں، گمراہی تو پہلے اس نے خود اختیار کی تھی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا تھا کہ شاباش لگے رہو۔

''قرین'' کا ذکر سورۃ الزخرف میں بھی ہے کہ

''جو رحمان کے ذکر سے غفلت برتتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ''قرین'' یعنی رفیق بن جاتا ہے، یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں، آخر کار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا، تو تو بدترین ساتھی نکلا۔'' [الزخرف: ۳۶، ۳۸]

مگر آیت میں میدانِ محشر میں پہلے مرحلے کا اظہار ہے، دوسرے مرحلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی کے وقت یہی ''قرین'' اپنی براءت کا اظہار کرے گا اور انسان کی اپنی گمراہیوں کے حوالے سے کہے گا کہ اس کی ضلالت پسندی کا نتیجہ تھا کہ میں نے اسے گمراہی کی ترغیب دی تو یہ مزید گمراہی میں پھنستا گیا۔

دوسرے مقام پر اس کی تفصیل یوں ہے:

﴿ وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ

لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o ﴾ [ابراهيم: ۲۲]

''اور جب معاملے کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا اللہ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو میں نے اس کی مخالفت کی، مجھے تمہارے اوپر کوئی قوت واختیار حاصل نہیں تھا، بس اتنی بات تھی کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری دعوت قبول کر لی، اس لیے تم مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ پر کرو، اور میں نہ تمہارے کام آنے والا ہوں نہ ہی تم میرے کام آؤ گے، اس سے پہلے جو تم نے مجھے شریک بنا رکھا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ بے شک ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔''

سورۂ ابراہیم کی اس آیت سے پہلے کی آیت میں ذکر ہے کہ شیطان کی طرح قیامت کے دن قوم کے لیڈر، سردار، پیشوا اور حاکم بھی ان سے اظہارِ براءت کریں گے۔ جو آنکھیں بند کر کے ''جی حضور'' کا فریضہ ادا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی بجائے ان کے فیصلوں اور حکموں کی تعمیل کرتے رہے، اور ان کی فرمانبرداری کو اپنی کمزوری سمجھتے رہے، چناں چہ فرمایا:

﴿ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ o ﴾ [ابراهيم: ۲۱]

''اور جب اللہ کے سامنے سب بے نقاب ہو جائیں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے ہم تمہارے تابع تھے اب کیا تم اللہ کے کچھ عذاب سے بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی ہوتی تو ہم بھی تم کو ہدایت کی راہ بتلاتے، اب تو معاملہ یکساں ہے، خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔''

یہ نزاع اور تو تکار محاسبہ کے وقت ہی نہیں جہنم میں بھی ہوگی، چناں چہ ارشاد ہے:

﴿ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ o ﴾ [الاعراف: ۳۸]

''جب ایک جماعت جہنم میں داخل ہوگی تو اپنی پیش رو کو لعنت کرتی ہوئی داخل ہوگی، حتی کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے بارے میں کہے گا۔ اے ہمارے ربّ! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے، جواب میں کہا جائے گا ہر ایک کے لیے دوہرا ہی عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا o وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا o رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا o ﴾ [الاحزاب: ۶۶-۶۸]

''جس روز (کباب کی طرح) ان کے چہرے آگ میں پلٹے جائیں گے تو وہ کہیں گے ہائے کاش! ہم اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرتے، اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سادات کی اور بڑوں کی اطاعت کی، تو انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا، اے ہمارے رب! انہیں دوہرا عذاب دیں اور ان پر بڑی لعنت و پھٹکار کریں۔''

یہ سب دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے وہ کریں گے اور جو ایک دوسرے سے یہاں ہمدردیوں کا یقین دلاتے ہیں وہ سب دھری کی

دھری رہ جائیں گی۔ یہ تو مجرموں کی باہمی ایک دوسرے سے بیزاری اور براءت کا اظہار ہے، قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ جنہوں نے فرشتوں، انبیاء اور صلحاء کی پرستش کی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ تم نے گمراہ کیا اور انہیں شرک کی پگڈنڈیوں میں الجھایا؟ تو وہ بھی ان سے اظہارِ براءت کریں گے، ملاحظہ ہو: (المائدۃ:۱۱۶،سبا:۴۰،۴۱)

اللہ تعالیٰ ان جھگڑنے والوں سے رسوا کن انداز میں فرمائیں گے:

''اب میرے پاس تمہارا جھگڑا فضول ہے، یہاں مت جھگڑو، یہ تمہاری آپس کی الزام تراشی تمہیں عذاب سے بچا نہیں سکتی، میں نے اپنی نافرمانی کی وعید سے تمہیں خبر دار کر دیا تھا اس لیے یہاں اب کسی عذر کی گنجائش نہیں، میں نے روزِ اوّل ہی یہ کہہ دیا تھا کہ جو شیطان مردود کے پیچھے چلے گا میں اسے شیطان سمیت جہنم رسید کر دوں گا۔'' [الاعراف : ۱۸]

''اور جو میری فرمانبرداری کرے گا میرے انبیاء اور میری آیات کی پیروی کرے گا وہ کوئی خوف وخطرہ محسوس نہیں کرے گا۔'' [الاعراف : ۳۵]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی ڈر ہوگا نہ غم، جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لیے دنیا میں خوشی ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

[یونس : ۶۲۔۶۴]

میرا یہ فیصلہ سنا اور پہنچا دیا گیا ہے۔ میری باتیں سچی ہوتی ہیں وہ بدلی نہیں جاتیں۔ ہر ایک کو وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ میں اپنے بندوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، گناہ اور نافرمانی کے نتیجے میں سزا، ظلم نہیں انصاف کے عین مطابق ہے، نہ میں کسی بندے کا گناہ کے بغیر مؤاخذہ کرتا ہوں اور نہ ہی اس کے اچھے اعمال کے بدلے میں کسی قسم کی کمی کرتا ہوں، ظلم تو یہ ہے برے انجام سے خبر دار کیے بغیر مؤاخذہ کیا جائے، جب میں نے پہلے سے تنبیہ کر دی تو اب اس کے مطابق مؤاخذہ ظلم نہیں ہے۔

یہاں ''ظلام'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد مبالغہ ظلم کی نفی نہیں، بلکہ نفس ظلم کی نفی ہے، جیسا کہ دوسرے مقامات پر آیا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا ﴾ [یونس : ٤٤]

''کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتے۔'' یا جیسے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ [النساء : ٤٠]

''اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے۔''

جس کا جتنا قصور ہے اسی نسبت سے اسے سزا ملے گی۔ ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ۝ ﴾ [طٰهٰ : ١١٢]

''کہ جو مومن نیک عمل کرے گا اسے نہ ظلم کا ڈر ہوگا اور نہ ہی حق تلفی کا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [یٰس : ٥٤]

''آج کے دن کسی پر ظلم نہیں ہوگا، سب کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسا دنیا میں کرتے رہے۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت صحیح مسلم میں ہے جس کے ابتدائی الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((يَا عِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا .))

[مسلم : ٦٥٧٢]

''اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

جب اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود ظلم نہیں کرتے تو انسان کو

بھی چاہیے کہ وہ اس سے باز رہے۔ ''ظلم'' اللہ کی شانِ رحمت ورأفت، عدل وانصاف اور حکمت کے منافی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فعل کو ظلم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قیامت کا دن تو ''یوم الدین'' انصاف کا دن ہے، وہاں ظلم کیسا؟ اللہ تعالیٰ نہ ہی دنیا میں کسی پر ظلم کرتے ہیں نہ ہی آخرت میں کریں گے، اس کا ہر فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، مگر اس کے فیصلے کی حکمت وہی جانتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ نیک جنت میں اور بد جہنم میں جائے گا، مگر ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر لازم اور واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ بدعتی فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔

﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [البقرة: ٢٨٤]

''جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب میں مبتلا کردے۔''

حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ اپنے مواعظ ''الفتح الربانی'' کی مجلس نمبر ۶۱ میں فرماتے ہیں:

''جنت کا عمل طاعت ہی ہے اور دوزخ کا عمل معصیت ہے۔ اس کے باوجود اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اگر چاہے تو عمل کے بغیر ہی کسی کو ثواب دے دے، اور چاہے تو برے عمل کے بغیر کسی کو عذاب دے دے، یہ سارے فیصلے اس کے اختیار میں ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ باقی سب سے باز پرس ہوگی۔ اگر وہ انبیاء اور صالحین میں سے کسی کو دوزخ میں ڈال دے تب بھی وہ عادل ہے اور یہ حجت بالغہ ہوگی، ہمارے لیے لازم ہے کہ کہیں حاکم بہر نوع سچا ہے ہم کوئی چون وچرا نہیں کرسکتے، ایسا ہونا ممکن ہے اگر ایسا ہو تو یہ انصاف اور حق ہوگا، البتہ یہ ایسی بات ہے کہ وقوع میں نہیں آئے گی اور وہ ایسا کرے گا نہیں۔''

کیوں کہ وہ وعدہ خلاف نہیں، بلکہ سنن ابی داود کتاب السنۃ، باب فی القدر، حاکم اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن فیروز الدیلمی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے تقدیر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

((لَوْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَأَهْلَ أَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ .)) الخ ۔

[ابوداؤد مع العون، ج: ٤، ص: ٣٦١]

''کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام زمین اور آسمان میں بسنے والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں اور اگر ان پر رحم فرمائے تو رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔''

یعنی یہ رحمت ان کے اعمال کے بسبب نہیں، عمل صالح تو بجائے خود اس کی رحمت ہے۔ عبداللہ بن فیروز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا، تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا، پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا۔ گویا یہ روایت مرفوع ہے۔ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے جامع العلوم والحکم (ص: ۱۹۵، حدیث نمبر: ۲۴) کے تحت فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند میں وہب بن خالد ہے جو مشہور بالعلم نہیں، مگر ان کا یہ قول درست نہیں۔ وہب بن خالد کو امام ابوداود، ابن حبان اور العجلی رحمہم اللہ نے ثقہ کہا ہے۔

[تهذيب، ج: ١١، ص: ١٦٢]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے شرح عقیدہ طحاویہ [ص: ۴۵۰، رقم: ۶۲۹] میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس کی تخریج انہوں نے امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ کی کتاب السنۃ رقم (۲۴۵) میں تفصیلاً کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ساری مخلوق کا وہی مالک ہے وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا کہ ایسا کیوں کیا؟ کوئی چیز اس پر لازم اور واجب نہیں، لیکن اس کا فیصلہ یہ ہے کہ میں نیک کو جنت اور بد کو جہنم

میں داخل کروں گا، اور اس کا فیصلہ بدلا نہیں جاتا۔ یوں اللہ کی صفت قدرت اور صدق دونوں قائم اور اپنے محل پر درست ہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ترجیحی طور پر رحمت وشفقت کو لازم کیا ہے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ [الانعام: ١٢]

''اس نے اپنے آپ پر رحمت لازم کرلی ہے۔'' نیز فرمایا:

﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

[الانعام: ٥٤]

''سلام ہو تم پر تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت لکھ لی ہے۔''

اللہ تعالیٰ بلا ریب رحمان ورحیم ہیں، مگر کوئی اللہ تعالیٰ کو رحم وکرم پر مجبور نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے آپ ہی اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے کہ میں اپنے بندوں پر رحمت وشفقت کا معاملہ کروں گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ [الاعراف: ١٥٦]

''کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔''

حاملین عرش اور اس کا طواف کرنے والے اللہ کی تسبیح کے ساتھ ساتھ ایمان داروں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾

[المؤمن: ٧]

''اے ہمارے ربّ! تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے، جو لوگ توبہ کریں اور تیری بتلائی ہوئی راہ پر چلیں انہیں بخش دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

یہ اسی مہربان کی نوازش ہے کہ جو علیم ہے، ہر ایک کے بارے میں پورا علم ہے، قادر ہے، کوئی اس کی دسترس سے باہر نہیں، پھر بھی وہ رحمت وشفقت ہی کا معاملہ فرماتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کہ جب اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا کہ إِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ ''کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' [بخاري، كتاب التوحيد، رقم: ٧٤٢٢]

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کے بارے میں بہت سی احادیث وآثار مروی ہیں، ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام تر قدرت کے باوجود کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے، بلکہ بہر آئینہ اپنے بندوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہیں، اپنا پہلا تعارف اپنے ذاتی نام کے بعد ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ سے کروایا، جس کی رحمانیت ورحیمیت کے بغیر نہ دنیا میں کوئی چارہ ہے نہ ہی آخرت میں۔ و للتفصیل موضع آخر

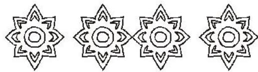
یہاں بہ ظاہر ایک اشکال ہے کہ اس آیت میں تو فرمایا گیا ہے کہ ''میرے سامنے مت جھگڑو'' جب کہ سورۃ الزمر (۳۱) میں ہے:

﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾

[الزمر: ٣١]

''پھر تم قیامت کے روز اپنے رب کے ہاں جھگڑو گے۔''

علمائے مفسرین نے فرمایا ہے: جھگڑے کی نفی دوسرے کو عذاب میں پھنسانے اور اپنے آپ کو عذاب سے بچانے اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے حوالے سے ہے، جب کہ جھگڑا باہمی معاملات اور مظالم کے حوالے سے ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں۔



دعائے مغفرت

ماسٹر محمد اقبال ولد عبدالعزیز گڈو ۱۹۔ نومبر ۲۰۱۰ء کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون......

مرحوم اپنے علاقے کی معروف شخصیت تھے۔ خوش اخلاق ہمدرد اور ملن سار تھے۔ ان کی نماز جنازہ مولانا اسد اللہ ثاقب صاحب نے پڑھائی۔ کثیر احباب جنازے میں شریک ہوئے۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[عبدالرحیم اظہر الکریمی، ڈی جی خان]

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

۷۹٦. عن بشير بن معبد السدوسيّ ۔ وكانَ اسْمه زحْمَ بنَ معبدٍ، فهاجرَ إلى النَّبيَّ ﷺ فقالَ: ((ما اسْمُكَ؟)) قال: زَحْمٌ، قالَ: ((بلْ أنتَ بَشِيْرٌ)) قال ۔ بينما أنَا أمشِي معَ رسولِ اللّٰه ﷺ إذْ مَرَّ بقُبُوْرِ المشركين، فقالَ: ((لقدْ سبَقَ هٰؤلاءِ خَيْرٌ كثيرٌ)) ثلاثاً فَمَرَّ بقبورِ المسلمين، فقالَ: ((لقدْ أدْرَكَ هٰؤلاءِ خيراً كثيراً ثلاثاً))، فحَانَتْ منَ النَّبيَّ ﷺ نظرةٌ، فرأىٰ رجلاً يمشِي في القبورِ وعليهِ نِعْلَانِ، فقالَ: ((يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ، ألْقِ سَبْتِيَّتَيْكَ))، فنظرَ الرَّجُلُ فلمَّا رأىٰ النَّبيَّ ﷺ خَلَعَ نعليهِ، فرمَىٰ بهما. [صحيح]

''حضرت بشیر بن معبد دوسی رضی اللہ عنہ ان کا نام زحم بن معبد تھا یہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا زحم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تیرا نام بشیر ہے۔ اس کے بعد وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا اتنے میں آپ کا گزر مشرکوں کی قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن سے خیر کثیر چھوٹ گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی قبروں کے پاس پہنچے تو تین مرتبہ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خیر کثیر کو حاصل کرلیا۔ پھر اچانک آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جوتوں والے! افسوس ہو تجھ پر جوتے اتار دے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے جوتے اتار دیئے۔''

باب: البناء

گھر بنانے کا بیان

۷۹۷. عن محمّد بن هلال، أنّه رأىٰ حُجَرَ أزواجِ النَّبيَّ ﷺ مِنْ جَرِيْدٍ، مستورةً بمسوحِ الشّعرِ، فسألتُهُ عن بيتِ عَائِشَةَ؟ فقالَ: كانَ بابُهُ من وجهةِ الشَّام فقلتُ: مِصْرَاعًا كانَ أو مِصْرَاعَيْنِ؟ قالَ: كانَ بابا واحداً، قلتُ: من أيِّ شيءٍ كانَ؟ قالَ: من عر عر أو سَاجٍ. [صحيح الإسناد]

''حضرت محمد بن ہلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجرے دیکھے ہیں جو کھجور کی ٹہنیوں کے تھے اور ان کو اُون کی چادروں سے ڈھانکا گیا تھا۔ محمد بن فدیک کہتے ہیں میں نے بی بی عائشہ کے حجرے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کا دروازہ شام کی طرف تھا میں نے پوچھا، دروازہ ایک پٹ کا تھا یا دو پٹ کا۔ انہوں نے کہا ایک ہی پٹ کا دروازہ تھا۔ میں نے پوچھا یہ دروازہ کس چیز کا تھا؟ عرعر یا ساگوان کی لکڑی کا تھا۔''

۷۹۸. عن أبي هريرةَ قالَ: قالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لا تقومُ السّاعةُ حتّى يَبْنِيَ النّاسُ بُيُوتًا يُوشُونَهَا وَشْيَ المَرَاحِيْلِ.)) قال إبراهيمُ:

يَعْنِي الثِّيابَ المُخَطَّطة . [صحيح الإسناد]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ لوگ ایسے مکان نہ بنائیں گے جن کی تزئین وآرائش میں نقش ونگار کریں گے جس طرح کپڑوں پر تصویریں بنائی جاتی ہیں۔''

فائدہ: یہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں اور یہ علامت قیامت ایک مدت سے مشہود ہے۔ ختم اللہ لنا بالحسنی [نواب صاحب]

باب: قول الرجل: لا وأبيك

لا وابيك کسی کو کہنا

۷۹۹ . عن أبي هريرة ، جاءَ رجلٌ إلى رسولِ اللّٰهِ ﷺ فقال: يا رسول الله ، أيُّ الصدقة افضل اجرا؟ قال: ((أَمَّا وابيك لتنبانه: أن تصدق وأنتَ صحيح شحيح تخشى الفقر وتأملُ الغِنَىٰ ، فلا تمهل حتّى إذا بلغت الحلقوم قلتَ: لفلان كذا ، ولفلان كذا وقد كانَ لفُلان .)) [صحيح]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما وابیک تجھے ضرور اس کے متعلق بتایا جائے گا۔ فرمایا: وہ ایسا صدقہ ہے جو تو حالت صحت میں کرے اس وقت صدقہ دو جب کہ تمہیں صدقہ دینے میں تمہارا دل بخل سے متاثر نہ ہو غریب ہو جانے کا خطرہ ہو اور امیر رہنے کا خیال ہو اس وقت کا انتظار نہ کرو جب سانس حلق میں اٹکنے لگے تو کہنے لگو اتنا فلاں کو دے دینا اتنا فلاں کے لیے اتنا فلاں کے لیے۔''

باب: إذا طلب فليطلب يسيراً ولا يمدحه

کسی سے کچھ مانگے تو بغیر اصرار مانگے اور اس کی مدح سرائی نہ کرے

۸۰۰ . عن عبدِ اللّٰه قال: إذا طلبَ أحدُكُمُ الحاجةَ فَلْيَطْلُبْهَا طَلَبًا يَسِيْرًا ، فإنَّما لهُ مَا قُدِّرَ لهُ ، ولا يأتي أحدُكُمْ صَاحِبَهُ فَيَمْدَحِ فَيَقْطَعُ ظَهْرَهُ . [صحيح الإسناد]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی کسی سے کچھ مانگے تو آسانی سے بغیر اصرار کے مانگے اس کو اتنا ہی ملے جو اس کے مقدر میں ہے اور کسی کے پاس جا کر اس کی مدح سرائی نہ کرے یہ اس کی پشت کو کاٹنے کے برابر ہے۔''

فائدہ: لفظ یسیر شامل ہے قلیل اور آسان دونوں کو۔ [نواب صاحب]

۸۰۱ . عن أبي عَزَّةَ يَسَارِ بنِ عبد اللّٰه الهُذَليّ ، عن النَّبيّ ﷺ قال: ((إنّ اللّٰهَ إذا أرادَ قَبْضَ عبدٍ بأرْضٍ جَعَلَ لهُ بها ـ أو فيها ـ حَاجَةً .)) [صحيح]

''حضرت ابوعزہ بن یسار ہذلی رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی زمین میں فوت کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے وہاں کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔''

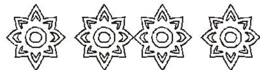
فائدہ: قرآن پاک میں آیا ہے:

﴿ وما تدری نفس بای ارض تموت ﴾ [لقمٰن]

''نہیں جانتی کوئی جان کہ وہ کس سرزمین میں مرے گی۔''

کوئی وہیں مرتا ہے جہاں پیدا ہوا ہے اگرچہ بڑے بڑے سفر کرتا ہو۔ کوئی عمر بھر گھر سے باہر نہیں جاتا لیکن جب موت آتی ہے تو جہاں کی مٹی ہوتی ہے خواہی نخواہی وہی جا کر مرتا ہے۔ میرے باپ کا مولد ومدفن قنوج رہا، میرے بھائی کا مرقد بلدہ بڑودہ ملک گجرات ٹھہرا۔ میری ماں اور دو خواہر کا مزار بھوپال ہوا۔ دیکھئے میری خاک کس جگہ کی ہے۔ امید تو یہ ہے کہ تربت احد الحرمین میں نصیب ہو۔

وما ذلك على الله بعزيز



احکام و مسائل

تمائم اور تعویذ کے احکام

[تمائم کیا ہیں؟ نیز قرآنی تعویذ کا کیا حکم ہے]

تحریر: امان اللہ عاصم (جامعہ عمر بن الخطاب جھبراں، شیخوپورہ، اعزازی خطیب بی بی کوٹ ننکانہ صاحب)

عربی زبان کا ایک لفظ "تميمة" ہے۔ جس کی جمع "تمائم" اور "تمیم" ہے۔ اس سے مراد وہ دانے اور مالے ہیں جو کسی بلاء اور مصیبت کو دفع کرنے اور اس کے بد اثرات سے بچنے کے لیے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل عرب زمانہ جاہلیت میں عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ تمام آفات کو دفع کرتے ہیں۔

[فتح الباری: ۱۰/۱۹۶]

اس عقیدے سے گلے میں لٹکائی جانے والی اشیاء میں ایک قسم تانت (دھاگہ) بھی ہے۔ حافظ ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرب عقیدہ رکھتے تھے کہ تانت کی مالا نظر بد کو دور کر دیتی ہے۔ اور مکر وفریب کو بھی دفع کرتی ہے۔ تو انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس میں گھوڑوں کی گردنوں سے تانتوں کو کاٹنے کا حکم ہے۔ جسے اہل عرب نظر بد سے بچاؤ کے لیے ان کے گلوں میں باندھتے تھے۔

[النهاية فی غريب الحديث والآثار: ۵/۳۱۹]

اسی طرح نظر سے بد سے حفاظت کی غرض سے عرب لوگ خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی بھی لٹکایا کرتے تھے۔

[دیکھئے: المفصل فی تاريخ العرب قبل الاسلام]

گویا عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ چیزیں نظر بد اور آفات سے بچاتی اور بیماریوں سے شفاء دیتی ہیں۔ چونکہ یہ عقیدہ سراسر عقیدہ توحید کے منافی تھا۔ اس میں شرک کا ایک سنگین پہلو پوشیدہ تھا جس کی وجہ سے اسلام نے اس عقیدے کی نا صرف نفی کی بلکہ لوگوں کو سختی سے اس بدعقیدگی سے باز رہنے کا حکم دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ . [مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۵۶، حديث: ۱۷۴۵۸، قال شعيب الأرنؤوط: اسناده قوي]

"جس نے کوئی تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

ایک اور روایت میں اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ وَ مَنْ عَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ . [المستدرك للحاكم: ۴/۲۴۰، حديث: ۷۵۰۱، امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا: صحیح ہے۔ صحیح ابن حبان: ۱۳/۴۵۰، حديث: ۶۰۸۶]

"جو تمیمہ لٹکائے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے۔ اور جو (طلب سکون کے لیے) سفید دھاگہ (باندھے یا) لٹکائے اللہ اسے کبھی سکون میسر نہ کرے۔"

لہٰذا کسی بیماری سے صحت یابی، تکلیف اور پریشانی سے نجات، نظر سے بد سے بچاؤ اور راحت وسکون حاصل کرنے یا کسی کو اپنا گرویدہ اور محبوب بنانے جیسے ارادوں کی تکمیل کے لیے تانت (دھاگہ)، گھونگھے، سیپیاں یا کوئی بھی چیز گلے میں لٹکانا یا بازوؤں پر باندھنا یا کوئی کڑا یا چھلا پہننا غلط اور شرک ہے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے بازو میں تانبے کا حلقہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: واهنة (ہاتھوں میں

لگی ہوئی ریاح کی بیماری) کی وجہ سے پہنا ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اتار دے۔[المستدرك للحاكم: ٤/ ٢٤٠، حديث ٧٥٠٢ امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے تو آپ نے اپنی بیوی کے گلے میں ایک دھاگہ دیکھا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ دھاگہ ہے جس پر میرے لیے (حمرہ یعنی بدن پر سرخ دانے بننے اور بخار ہونے کی بیماری کی وجہ سے) دم کیا گیا ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وہ دھاگہ کاٹ دیا اور فرمایا: عبداللہ کا خاندان شرک سے بے نیاز ہے، میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے:

إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوْلَةَ شِرْكٌ .

''جھاڑ پھونک،تعویذ اور محبت کا منتر شرک ہے۔''

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مندرجہ ذیل کلمات سکھائے:

أَذْهِبِ الْبَأسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا . [سنن ابن ماجة، حديث: ٣٥٣٠،علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں بھی مختصر موجود ہے۔علامہ شعیب الارنؤوط نے کہا: اس کے راوی ثقات ہیں۔ دیکھئے: صحيح ابن حبان: ١٣/ ٤٥٦، حديث: ٦٠٩٠۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٨١، حديث: ٣٦١٥]

اس حدیث میں ''جھاڑ پھونک'' یعنی ایسے کلمات کے ساتھ دم کرنے سے منع ہے جو شرکیہ ہوں۔اور ''تولۃ'' سے مراد وہ منتر ہے جو مرد اور عورت کے درمیان محبت پیدا کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ان سب کو نبی اکرم ﷺ نے شرک کہا ہے۔اور اس حدیث سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی قسم کی چیز دم کر کے پہننا بھی غلط اور شرک ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت بیعت کے لیے آئی۔آپ ﷺ نے ان میں سے نو آدمیوں سے بیعت فرمالی لیکن ایک سے ہاتھ روک لیا۔پوچھا گیا: آقا! اس سے ہاتھ کیوں روک لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ اس کے جسم پر تمیمہ ہے۔تب اس آدمی نے کاٹ پھینکا اور پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سے بیعت لے لی اور فرمایا: جس نے تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔[مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٦، حديث: ١٧٤٥٨، شعیب الارنؤوط نے کہا: اس کی سند قوی ہے۔]

ان تمام احادیث میں لفظ ''تمیمۃ'' استعمال ہوا ہے۔جس سے مراد عرف عام میں جسے ''تعویذ'' کہا جاتا ہے، لینا درست نہیں۔ بلکہ تمیمہ سے مراد نظر بد اور آفات سے بچاؤ کے لیے گلے میں لٹکائے جانے والے، پاؤں یا بازوؤں پر باندھے جانے والے موتی، دانے، گھونگھے، سیپیاں، دھاگے، کڑے اور چھلے وغیرہ ہیں۔

[دیکھئے القاموس المحيط]

آفات اور جنات کے اثر سے حفاظت کے لیے چارپائیوں پر رکھا جانے والا لوہا وغیرہ بھی اسی تمیمہ کے زمرے میں آتا ہے۔یہ اشیاء نہ تو نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ایسی اشیاء لٹکانے اور باندھنے کے متبادل نظر بد یا کسی مرض سے خلاصی اور نجات کے لیے وظائف اور اذکار کی تعلیم دی۔اور اس میں بھی اس بات کا مکمل خیال رکھا گیا کہ کہیں ذرہ برابر بھی شرک کی آمیزش ان وظائف میں نہ ہونے پائے۔اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ . [صحيح مسلم، حديث: ٢٢٠٠۔ سنن ابی داؤد، حديث: ٣٨٨٦]

''مجھے اپنے دم کرنے کے کلمات سناؤ، اگر ان میں شرک نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

اسی لیے علماء کرام/ائمہ دین نے دم کرنے کے کلمات کے تعین میں شرائط لگائی ہیں: چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه و صفاته و باللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره و أن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى .

[فتح الباری: ۱۰/۱۹۵]

''تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ دم کرنا جائز ہے: پہلی یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے وہ اللہ کا کلام یا اس کے نام و صفات ہوں اور زبان عربی ہو، دوسری یہ کہ دم کے کلمات کے معانی معلوم ہوں (یعنی غیر معلوم اور مبہم معانی والی عبارات نہ ہوں)، تیسری یہ کہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ دم بذات خود فائدہ نہیں دے سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوگا۔''

قابل غور بات یہ ہے کہ تمیمہ تو ممنوع اور شرک ہے۔ تو کیا قرآن مجید کی کوئی آیت یا مسنون ادعیہ میں سے کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر گلے میں لٹکائی یا باندھی جاسکتی ہے؟ ایک موقف اس کے جواز کا جبکہ دوسرا اس کے کلیۃً انکار اور غیر جواز کا ہے۔ ذیل میں ہم جائز قرار دینے والوں کے دلائل اور ممنوع (ناجائز) قرار دینے والوں کا ان دلائل کے بارے موقف ذکر کریں گے۔

قرآن مجید کی آیات اور مسنون دعا کاغذ وغیرہ پر لکھ کر گلے میں لٹکانے کو جائز قرار دینے والوں کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَ رَحْمَةٌ ﴾

''اور ہم نے قرآن میں وہ کچھ نازل کیا ہے جو شفاء اور رحمت ہے۔'' [سورة الاسراء: ۱۷/۸۲]

دوسری دلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ وہ مندرجہ ذیل کلمات اپنے بالغ بچوں کو یاد کراتے اور نابالغ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَ عِقَابِهِ وَ شَرِّ عِبَادِهِ وَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ أَنْ يَحْضُرُوْنَ . [سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۸۹۳، علامہ البانی نے کہا: حضرت عبداللہ کے ذکر کے علاوہ اس روایت کا متن حسن درجہ کا ہے۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/۱۸۱، حدیث: ۶۶۹۶ شیخ شعیب الارنؤوط نے کہا: یہ سند ضعیف ہے البتہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے]

جن کا موقف ممانعت اور انکار کا ہے وہ ان دلائل کے بارے کہتے ہیں: جو آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ قرآن کو گلے میں لٹکایا جائے یا بازوؤں سے باندھا جائے تو شفاء ہے۔ بلکہ یہاں شفاء سے مراد عقائد کی درستی، دلوں سے ایسے اوصاف جو انسانیت کے منافی ہوں ان کا صاف ہونا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں اس کی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[سورة یونس: ۱۰/۵۷]

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت، جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لیے شفاء، ہدایت اور مومنوں کے لیے رحمت ہے۔''

یہاں قرآن کو سینوں میں جو کچھ ہے اس کے لیے شفاء کہا گیا ہے۔ اور ہدایت کا لفظ الگ سے استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اگر قرآن پڑھنے کے بعد ہدایت یافتہ تو ہوگئے لیکن دلوں سے جاہلیت والی نفرتیں، کدورتیں، بغض اور تعصب کی گندگی کو صاف نہ کیا تو سمجھو صحیح معنوں میں قرآن کی تعلیمات پر عمل ہی نہیں کیا۔

اگر یہاں قرآن کے شفاء ہونے سے مراد وہی لی جائے جو تعویذ کرنے کے قائل حضرات نے لی ہے۔ تو ہم یہ عرض کریں گے کہ قرآن واقعی شفاء ہے۔ لیکن اس سے شفاء کی نیت اور ارادے سے استفادہ اسی طریقے سے کیا جائے گا جو طریقہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ملتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی آیات سے دم کیا جا سکتا ہے اسے تعویذ بنا کر گلے میں نہیں لٹکایا جا سکتا۔ جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا معروف واقعہ ہے کہ انہوں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا تو قبیلے کا سردار تندرست ہو گیا۔ اس کے عوض ان سے کچھ بکریاں بھی لیں۔ جب یہ خبر نبی اکرم ﷺ کو سنائی گئی تو آپ نے فرمایا: ان بکریوں میں میرا حصہ بھول نہ جانا۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث: ۲۲۰۱۔

تو قرآن کے شفاء ہونے کا یہی درست اور واضح مفہوم ہے جو نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں ملتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کسی بھی قسم کا تعویذ لٹکانا برا اور غلط بلکہ شرک سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ذکر کیا گیا ہے:

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ . [مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٦، حديث: ١٧٤٥٨، قال شعيب الأرنؤوط: اسناده قوي]

''جس نے کوئی تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔''

دوسری دلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ جو کہ مدلس راوی محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بڑے بچوں کو دعا یاد کراتے اور چھوٹے بچوں کے گلے میں ایک تختی پر لکھ کر لٹکاتے تھے تاکہ وہ بھی یاد کر لیں۔ جبکہ تعویذ تو کاغذوں پر لکھے جاتے ہیں تختیوں پر لکھ کر تو نہیں لٹکائے جاتے۔ تیسری علت یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ذکر کرنا کہ وہ اپنے بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکاتے تھے، اس کی علامہ البانی رحمہ اللہ نے تحسین نہیں کی ہے۔ اس کے علاوہ باقی متن کو حسن قرار دیا ہے۔ یہ الفاظ مدرج ہیں۔

معزز قارئین! تمیمہ کا استعمال ایسا عمل ہے جس کی بنا پر نبی اکرم ﷺ کی بیعت سے محرومی اور شرک کے ارتکاب جیسا نتیجہ نکلتا ہے اس عمل سے بچنا بلکہ بہت ہی شدت اور احتیاط کے ساتھ اس سے پرہیز کرنا اور دور رہنا بہتر ہے۔ لیکن قرآنی آیات اور مسنون دعا کاغذ پر لکھ کر لٹکانا یا باندھنا ایسا عمل ہے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا۔ یہ عمل دور نبوی کے بعد شروع ہوا۔ اس لیے اس میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ اگر تعویذ میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگی گئی ہو یا غیر کا نام اور ہندسے لکھے گئے ہوں تو یہ شرک ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی اللہ کا نام یا قرآن کی آیت یا مسنون دعا لکھ کر گلے میں لٹکائے تو اسے شرک کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں وہ غیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ رہا ہے۔ اس کا نظریہ ہرگز یہ نہیں کہ اسے شفاء اس کاغذ نے دینی ہے بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ شفاء دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ تو اس عمل کی ممانعت بحر صورت موجود نہیں ہے۔ البتہ احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان مشکوک اور مختلف فیہ معاملات کو چھوڑ کر ہمیں مسنون دم پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

آخر میں ہم اس صدی کے معروف مذہبی سکالر، عالم اسلام کے نامور مفتی فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر ان میں شیطانوں کے نام ہوں یا ہڈیوں، ریٹھوں اور کیلوں کے تعویذ ہوں یا طلسمات یعنی حروف مقطعات (ا، ب، ج وغیرہ) ہوں یا ان سے مشابہ کوئی اور چیز ہو تو یہ شرک اصغر ہے۔ اور اگر تعویذ استعمال کرنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تعویذ اس کی حفاظت کرے گا یا اس کی بیماری دور کرے گا یا

آنے والی مصیبت کوٹال دے گا تو یہ شرک اکبر ہے۔''

[مجموعه فتاوی ابن باز: ۲/ ۳۸۴]

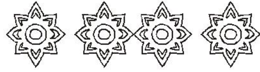
خلاصہ بحث یہ ہوا کہ غیر قرآنی اور شرکیہ تعویذ کرنا اور کرانا، کوئی چیز دم کی ہوئی یا بغیر دم کے دفع مصائب اور نظر بد وغیرہ کے اثرات سے بچاؤ کے لیے پہننا یا لٹکانا ممنوع اور شرک ہے۔ البتہ دفع مصائب، نظر بد سے بچاؤ اور دیگر پریشانیوں کے حل یا حصول سکون کے لیے قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ صحیحہ یا ایسے کلمات جن میں شرک یا ابہام نہ ہو ان سے دم کرنا جائز عمل ہے۔ بلکہ ان سب سے بہتر یہ ہے کہ جن وظائف کی نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات اور مختلف مواقع کے مطابق تعلیم دی ہے انہیں اپنا معمول بنانا چاہیے۔ اللہ پاک جملہ آفات سے محفوظ فرمائیں گے۔ یہ وظائف اور دعائیں اذکار اور وظائف اور دعاؤں کی کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً: الوردالمصفی المختار دعائیں التجائیں (دارالابلاغ لاہور)۔ اسلامی وظائف اور پیارے رسول کی پیاری دعائیں (مولف مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ) وغیرہ کتب اس معاملہ میں مفید ہیں۔

تعویذات کا کاروبار کرنے والے حضرات دکانیں سجا کر لوگوں کا ایمان لوٹنے کے لیے ہر شہر اور قصبہ میں سر بازار نظر آتے ہیں۔ جو دوسروں کے حالات اور کایا پلٹنے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اگر ان کی حقیقت ہی کو جان لیا جائے تو تعویذ کرنے کرانے جیسے قبیح عمل سے بچا جاسکتا ہے۔ وہ لوگ دعوے تو کرتے ہیں کہ ایک ہی دن میں کایا پلٹ دیں گے، ایک ہی منتر میں مراد پوری ہوجائے گی، ایک ہی تعویذ سے کاروبار ترقی پکڑ لے گا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ لوگوں کے کاروبار چمکاتے ہو اور خود لوگوں سے پچاس، سو، دوسو، روپے بٹور کر اپنا گزر بسر کر رہے ہو، تم کیوں نہیں کوئی کاروبار شروع کرتے اور اس کاروبار کے لیے خود کوئی تعویذ تیار کرتے کہ آپ کا کاروبار خوب چمکے تاکہ آپ کو پیسے بٹورنے کے لیے طرح طرح کے ڈھکوسلے نہ کرنے پڑیں۔

لیکن معزز قارئین! جب بنیاد ہی غلط ہے تو ان کے پاس خاطر خواہ جواب کیا ہوسکتا ہے۔ اس لیے اپنے ایمانوں کو بچایئے۔ اور اللہ کی ذات پر توکل اور مکمل بھروسہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین......!

هذا ما عندی و الله اعلم بالصواب



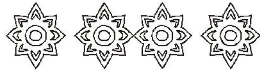
بقیہ ......عقیدۂ ختم نبوت

نثر و نظم دونوں میں موصوف نے واشگاف الفاظ میں عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ سچے محبّ رسول تھے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت و شان کے قائل تھے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح قادیانیت کے خلاف ہر محاذ میں پیش پیش رہے۔ اشعار و تحریروں میں قادیانی جھوٹی اور جعلی نبوت کی تردید کرتے رہے۔ ان کے بارے قادیانی حضرات کا یہ نظریہ غلط ہے کہ وہ قادیانیت کی طرف مائل تھے۔

قارئین کرام! گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ علامہ اقبال کے قادیانیت کے خلاف کس قدر واضح بیانات تھے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کے قائل تھے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے اور قادیانیوں کی جھوٹی نبوت کو ردّ کرتے تھے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو عقیدۂ ختم نبوت پر پختہ رکھے اور عقیدۂ ختم نبوت کا پرچار کرنے کی توفیق بخشے۔

مولائے کریم ہمارے دلوں میں مزید محبت رسول ﷺ پیدا فرما دے تاکہ ہم ختم نبوت کے خلاف ہر اٹھنے والی آواز کو دبا دیں اور ہر میدان میں عقیدۂ ختم نبوت کا دفاع کریں۔ آمین یا ربّ العالمین



تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲ آخری

عقیدۂ ختم نبوت اور علامہ اقبالؒ

حافظ ریاض احمد عاقب (مدرس مرکز ابن القاسم الاسلامی، ملتان)

علمائے کرام کی طرح مسلمان شعراء میں علامہ اقبال نے بھی قادیانی ملت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی تحریک اٹھائی۔ علامہ اقبال کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اقبال محمد عربی ﷺ کے سچے محبّ تھے۔ وہ اپنے شاعرانہ کلام میں محسن کائنات ﷺ سے اظہارِ محبت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت کے قائل تھے۔ اسرارِ خودی میں لکھتے ہیں:

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ
آبروے ما ز نام مصطفیٰ

قادیانی گروہ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اقبال بھی قادیانی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ اس سلسلے میں اعجاز احمد قادیانی نے ۱۹۸۵ء میں ''مظلومِ اقبال'' کے نام سے ایک کتاب لکھ ماری۔ اس کتاب میں جگہ جگہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اقبال اور ان کا خاندان قادیانیت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالماجد قادیانی نے ''اقبال اور احمدیت'' کے نام سے ۵۵۲ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھ دی۔ جس میں انہوں نے جگہ جگہ اقبال کو قادیانی ثابت کرنے کی کوشش کی اور علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک بہت بڑا چیلنج کیا کہ وہ اپنی کتاب (زندہ رود) کے ''اقبال اور احمدیت'' سے متعلقہ حصوں پر نظر ثانی کریں یا پھر ان کی تحریک کا جواب لکھیں۔

الحمد للہ ان دونوں کتابوں کا جواب اہل حدیث کے مایہ ناز سپوت مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ محقق سکالر محترم جناب عبدالمجید خان ساجد حفظہ اللہ نے دیا۔ موصوف نے اپنی کتاب ''ختم نبوت اور عقیدۂ اقبال'' میں قادیانیوں کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔

علامہ اقبال نے اپنے بیانات اور شاعرانہ کلام کے ذریعہ قادیانیوں کے باطل عقیدہ کو طشت از بام کیا ہے۔ اقبال سچے مسلمان تھے۔ محبّ رسول ہونے کے ناطے انہوں نے اپنے کلام میں واضح کیا ہے کہ جو شخص نبوت میں کسی قسم کی پیوند کاری کرے وہ شرک فی النبوت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

شاعر مشرق نے ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء میں ''انجمن حمایت اسلام'' کے سالانہ جلسہ میں ایک نظم پڑھی جس کا عنوان تھا ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے'' شعر ملاحظہ ہو:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام ابولہبی است
اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنور شمع عرفاں کردہ ای

اس شعر کے یہ الفاظ:

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک

قابل غور ہیں۔ اس میں انہوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد کسی قسم کی نبوت شرک فی النبوت ہے۔

اسی سال ۱۹۰۲ء کو سارق ختم نبوت مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے خاص مرید سید حامد شاہ کے ذریعہ اقبال کو بیعت کے لیے پیغام بھیجا تو موصوف نے بیعت نہ کرنے کے متعلق منظوم جواب ارسال کیا اور بیعت کرنے سے انکاری ہوئے۔ علامہ اقبال نے درج ذیل نظم جواباً لکھی جو رسالہ ''مخزن'' مئی ۱۹۰۲ء میں چھپی:

تنکے چن چن کے باغِ الفت کے
آشیانہ بنا رہا ہوں میں

ایک دانہ پہ ہے نظر تیری
اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے
وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

[بحوالہ اقبال اور احمدیت،ص:۱۰۱،۱۱۱از بشیر احمد ڈار]

۲۸راگست۱۹۱۰ءکو قادیانی ٹولہ کی طرف سے اقبال کا دامن داغدار کرنے کے لیے ان کے اخبار ''الحکم'' میں یہ خبر چھاپ دی گئی کہ ''شیخ یعقوب علی تراب کی نواسی کا نکاح بعد از نماز مغرب پانچ صد روپیہ حق مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔''

تو اس کے ردّعمل میں فوراً علامہ اقبال نے قادیانیوں سے مذہبی نفرت کی بنا پر تردیدی بیان شائع کیا جو''پیسہ اخبار'' لاہور میں ۱۵ دسمبر ۱۹۱۰ءکو چھپا۔

۱۹۱۴ء میں خلیفہ اوّل نور الدین کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ دوم نے عام مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چناں چہ مرزا غلام احمد کی نبوت کا اعلان کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ جو مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔اس کے ردّعمل میں پہلے تو قادیانی جماعت میں انتشار پیدا ہوگیا۔ جب علامہ اقبال کو مرزا بشیر الدین محمود کے خیالات کا علم ہوا تو انہوں نے ۱۹۱۶ء میں اس کے جواب میں ایک بیان دیا ''جو شخص نبی کریم ﷺ کے بعد کسی ایسے نبی کا قائل ہو جس کا انکار مستلزم کفر ہو وہ خارج از اسلام ہوگا۔ اگر قادیانی جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے تو وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔'' [اقبال اور احمدیت،ص:۱۷]

علامہ اقبال کا یہ قول فیصل کس قدر واضح ہے جس میں قادیانی جماعت کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ یہ قول ''اخبار الفضل قادیان'' جلد نمبر:۳،ص:۱۰۵(مؤرخہ ۱۶؍۴؍۱۱) میں بھی شائع ہوا۔

مسئلہ ختم نبوت پر علامہ موصوف کی ایک تاریخی تحریر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا۔''

[اقبال اور قادیانی،ص:۳۷،از نعیم آسی]

اس مذکورہ اقتباس میں علامہ اقبال نے کس قدر واضح اپنا عقیدہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ ختم نبوت کے سارق کو کذاب اور واجب القتل قرار سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال مسلمانوں اور اسلام کے خلاف کوئی غلط اقدام برداشت نہ کرتے تھے جب جولائی ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی گئی جس کا پہلا صدر بشیر احمد محمود کو بنایا گیا اور سیکرٹری عبدالرحیم بنے۔ یہ دونوں اصحاب قادیانی تھےلیکن کمیٹی قائم کرتے وقت چوں کہ خیال تھا کہ یہ ایک عارضی تنظیم ہے۔لہٰذا کوئی دستور اور قواعد وضوابط نہ بنائے گئے۔

اس طرح صدر اور سیکرٹری کو وسیع تر اختیارات حاصل ہوگئے۔لہٰذا انہوں نے اس پلیٹ فارم کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا اور کشمیر کمیٹی کی آڑ میں اپنے مبلغین کشمیر بھیجنے شروع کر دیئے جب علامہ اقبال کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے دیگر ارکان کے ساتھ مل کر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے لیے قوانین وضوابط وضع کرنے پر زور دیا۔ احمدی ارکان کو یہ تجویز منظور نہ ہوئی،انہوں نے مرزا بشیر الدین کے اختیار پر کنٹرول کو ہتک محسوس کیا۔ لہٰذا ۱۷مئی ۱۹۳۳ء کو مرزا بشیر الدین نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔اس کے بعد متفقہ طور پر علامہ اقبال کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔

جب اقبال نے کشمیر کمیٹی کے دستور کا مسودہ تیار کرکے اجلاس میں پیش کیا تو احمدی ارکان نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے یہ تاثر بھی دیا کہ وہ مسلمانوں کی کسی تنظیم کو نہیں مانتے وہ صرف اور صرف اپنے امیر کی پیروی کرتے ہیں۔ان حالات میں علامہ اقبال نے ۲۰ جون ۱۹۳۳ء کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اگر اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ایک الگ کشمیر کمیٹی بنائیں جس میں سارے ارکان مسلمان ہوں۔

علامہ اقبال نے ۲۰ جون ۱۹۳۳ء کو ایک پریس بیان دیا۔ ''بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے (قادیانیت) کے امیر کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔''

[تحریک ختم نبوت، ص:۹۷ از شورش کاشمیری]

علامہ اقبال کا یہ ایک تاریخی بیان تھا۔ اس کے بعد موصوف نے اسی سلسلہ میں ۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو ایک اور بیان جاری کیا جس میں صدارت سے اپنی دست کشی کا سبب بیان کرتے ہوئے قادیانی امت کے پوشیدہ اغراض پر اشارات کیے کہ تحریک کشمیر کی آڑ میں اس نے اپنا دام تزویر بچھا کر مسلمانوں کو شکار کرنا چاہا ہے۔[تحریک ختم نبوت، ص:۹۷]

اس کے بعد احمدیوں نے تحریک کشمیر کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی اور اقبال کو اس کی صدارت کی پیش کش کی لیکن اقبال نے اس صدارت کو ٹھکرا دیا اور انہوں نے مؤرخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اپنے بیان میں فرمایا:

''قادیانی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ابھی کوئی واضح اعلان جاری نہیں ہوا کہ اگر قادیانی حضرات مسلمانوں کی سیاسی تنظیم میں شامل ہوگئے تو ان کی وفاداریاں منقسم نہیں ہوں گی۔ دوسری طرف واقعاتی طور پر یہ ظاہر ہوگیا کہ جسے قادیانی پریس ''تحریک کشمیر'' کے نام سے پکارتی ہے اور جس میں بقول قادیانی اخبار ''الفضل'' مسلمانوں کو محض اخلاقی طور پر شامل ہونے کی اجازت دی گئی ہے ایک ایسی تنظیم ہے جس کے مقاصد اور محرکات آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے مختلف ہیں۔''

[زندہ رود، ص:۵۸۵ از جاوید اقبال]

جب علامہ اقبال کو یہ بات معلوم ہوئی کہ تحریک آزادیٔ کشمیر کی آڑ میں قادیانیوں نے اپنے مبلغین کے ذریعے پونچھ میں کافی بھولے بھالے کشمیریوں کو قادیانیت کے جال میں پھنسا لیا تھا تو انہوں نے زبردست ردّعمل کا اظہار کیا۔ اب وقت تھا کہ قادیانیوں کا محاسبہ کیا جائے۔ لہٰذا علامہ اقبال نے ایک بیان ''قادیانی اور جمہور مسلمان'' کے عنوان سے ''اسٹیٹس مین'' اخبار میں ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء کو دیا۔ اس بیان کے بعد علامہ اقبال نے ایک اور وضاحتی بیان دیا اور اس میں یہ الفاظ کہے:

''میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریقہ کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا۔ اور مسلمان ان سے ویسی رواداری سے کام لے گا جیسی وہ باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے۔'' [اقبال اور قادیانی، ص:۶۰ از نعیم آسی]

علامہ موصوف کے ان بیانات سے قادیانی عمارت میں کہرام بپا ہوگیا۔ قادیانی قلعہ میں تھرتھری پیدا ہوگئی۔ ان بیانات سے قادیانیت کے خالق انگریز بھی کافی مضطرب ہوئے۔ کیوں کہ وہ انگریز کی گود میں پرورش پانے والا کفر والحاد کا ایک ناجائز بچہ ہے، اس لیے ان کا پریشان ہونا فطری امر تھا۔

اُدھر پنڈت جواہر لال نہرو نے قادیانیت کے دفاع میں ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ میں تین مضمون لکھ مارے۔ علامہ اقبال نے ان مضامین کے جواب ''اسلام اور احمدیت'' کے نام سے ایک جاندار معرکۃ الآراء مقالہ تحریر کیا۔ جواہر لال نہرو علامہ موصوف کی طرف سے دندان شکن جواب پاکر خاموش ہوگئے۔

علامہ اقبال نے اس مقالہ میں یہ بات واضح کردی کہ قادیانیت غیر مسلم اقلیت ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنی تحریر میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز بھی پیش کی، اس لیے کہ قادیانی ٹولہ جمہور مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، ان سے بیاہ شادی نہیں کرتے، نمازیں بھی ان کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ لہٰذا اقبال نے فرمایا:

''ان کے حق میں فائدہ مند ہے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور ان کے حقوق کی نگہداشت باقی غیر مسلم اقلیتوں کی طرح کی جائے۔'' [اقبال اور احمدیت، ص:۲۷۳]

جواہر لال نہرو کے جواب میں لکھا ہوا علامہ اقبال کا مقالہ اتنا جاندار اور مسکت ثابت ہوا کہ خود قادیانی فضلاء بھی اس مقالہ کے علمی نکات اور واضح سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ یہ مقالہ شورش کاشمیری کی کتاب

"تحریکِ ختمِ نبوت" (ص:۱۰۳) میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی ۱۹۳۵ء کو کہی بات آخر کار رنگ لائی اور ذوالفقار بھٹو کے دورِ حکومت میں قادیانیوں کو ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں علمائے حق کی مساعی جمیلہ بھی قابل قدر و قابل تحسین ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنے شعری کلام میں بھی عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار فرمایا ہے۔

رموزِ بے خودی میں ایک جگہ انہوں نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر رسالت و نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

علامہ ممدوح عقیدۂ ختم نبوت کا پرچار اپنی شعری کتاب میں یوں کرتے ہیں:

لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است

[رموزِ بے خودی]

"رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ دراصل خدا کا احسان ہے جو اس نے بندوں پر کیا اور یہ عقیدہ پردۂ ناموسِ مصطفیٰ ہے۔"

شاعرِ مشرق نے اپنی کلام میں یہ واضح کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کے بعد کسی قسم کی نبوت شرک فی النبوت ہے۔

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنور شمع عرفان کردہ ای

اس کلام میں کس قدر واضح طور پر اقبال نے ختم نبوت کے متعلق اظہار فرمایا ہے کہ محمد مصطفیٰ خاتم النّبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت شرک ہے۔ قادیانیت کے خلاف اقبال نے اپنے کلام میں بہت واضح الفاظ میں فرمایا ہے:

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر

[ضربِ کلیم]

جب قادیانی گروہ نے تمام مسلمانوں کی تکفیر شروع کر دی۔ بڑے بڑے علمائے کرام کو کافر قرار دیا۔ تو مذہبی حلقہ کے علاوہ دوسرے حلقات میں کافی گرم جوشی دکھائی دینے لگی۔ اقبال نے مذکورہ بالا شعر میں قادیانیوں کے اسی خبث باطن کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے تمام مومنین کو کافر کہا ہے۔

اقبال موصوف قادیانیت کو برگِ حشیش، غارت گر اقوام، فتنہ ملت بیضہ، قوت فرعون کی در پردہ مرید، یہودیت کا مثنیٰ، انتشار کا منبع، فرنگی پودا مرزا غلام احمد کو چنگیز اور قادیانیوں کو اسلام اور ملک کا غدار قرار دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

موصوف ضربِ کلیم میں رقم طراز ہیں:

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

مزید فرمایا:

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

اس شعر میں قادیانیت کا بھرپور ردّ کیا گیا ہے۔ اقبال مزید لکھتے ہیں:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

مزید سنیے:

ہو اگر قوتِ فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم الٰہی

اس شعری کلام سے ثابت ہوا کہ علامہ موصوف قادیانیوں کی جھوٹی نبوت کے کبھی قائل و مداح نہ تھے۔ آپ نے ہر موقع پر قادیانیت کے خلاف بیانات دیئے۔ جس طرح گزشتہ صفحات میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے۔ [باقی حصہ صفحہ نمبر ۱۵ پر]

ایک یادگار سفر

محمد یوسف فاروق (ماڈل کالونی، وزیر آباد)

وزیر آباد میں یوں تو بے شمار مشاہیر علماء، فضلاء و دیگر شعبہ ہائے زندگی میں نامور لوگ ہوگزرے ہیں۔لیکن علم وعمل اور صالحیت میں جو درجہ حضرت حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی اور ان کے خوشہ چین حضرت صوفی محمد عبداللہ بانی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے حصے میں آیا اس تک کسی اور کی رسائی نہ ہوسکی۔شروع سے ہی حضرت صوفی صاحب اور ماموں کانجن کے بارے میں سن رکھا تھا۔لیکن وہاں تک جانے کی نوبت نہ آئی تھی حتیٰ کہ چند سال پیشتر جامع منانیہ وزیر آباد جو کہ حضرت محدث کی عظیم یادگار ہے، کے انتظام وانصرام کے لیے اللہ نے دیگر اصحاب کے ساتھ راقم کو بھی موقع دیا تو حضرت کے ورثہ کی کتب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔جن کی حالت اچھی نہ تھی اور نہ ہی ان کی کوئی فہرست مرتب تھی۔

کتب کی ضروری مرمت اور واجبی سی جلد بندی کے بعد بھی ان کی قدامت اور خستہ حالی اس چیز کی متقاضی تھی کہ یہ ''تبرک'' کسی متبرک مقام میں منتقل کر کے محفوظ کر دیا جائے۔انہی دنوں ہمیں رئیس الجامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی طرف سے ایک استدعا موصول ہوئی کہ بہت احسن ہوا گر استاد کا ورثہ شاگرد کی تحویل میں دے دیا جائے۔چناں چہ احبابِ انتظامیہ نے طویل مشاورت کے بعد یہ پیش کش قبول کرلی اور جامع ماموں کانجن سے محترم قاری عبدالحفیظ صاحب تشریف لائے اور مرحوم حافظ صاحب کا کتب خانہ احترام اور اہتمام کے ساتھ لے گئے۔ ادھر رئیس الجامع گرامی قدر مولانا عبدالقادر ندوی ﷾ کی بڑائی دیکھئے کہ انہوں نے ہمیں رسید بھیجنے کی بجائے شکریہ کا ایک نصف صفحہ کا اشتہار الاعتصام میں دیا تا کہ نہ صرف ہم بلکہ دیگر احباب جماعت بھی مطلع رہیں کہ ایک عظیم ورثہ جو مرور ایام کی نذر رہو رہا تھا کم از کم صرف پچاس سال کے لیے محفوظ ہوگیا ہے۔

اس کے بعد انتظامیہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کا اصرار تھا کہ ہم لوگ خود وہاں آ کر دیکھیں کہ ہمارے بھیجے ہوئے تبرکات کیا مناسب طریقہ سے محفوظ کر لیے گئے ہیں؟ ہمیں اس دعوت کے قبول کرنے میں کیا عذر تھا بس روز وشب کے آنے جانے میں عرصہ قریب دو سال کا ہوگیا لیکن ہمارا جانا نہ ہوسکا۔بہر حال چوں کہ جذبہ صادق تھا ہمارا ارادہ بفضلہ تعالیٰ ہماری مصروفیات پر غالب آیا۔اور مؤرخہ ۱۰/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ہمارا ماموں کانجن کے لیے جانا قرار پایا۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس دوران مرکز ہمدرد لاہور میں بزرگوار محمد اسحٰق بھٹی صاحب کی ادارہ الاعتصام کی طرف سے تقریب پذیرائی میں راقم کی ملاقات مولانا ندوی سے ہوئی۔اللہ! اللہ! کیا اللہ والے لوگ ہیں کہ نہ واقفیت نہ آشنائی صرف وزیر آباد اور جامع منانیہ کا نام سن کر لپٹ گئے اور اس پیار اور شفقت سے ملے جیسے برسوں کی آشنائی ہو۔

پھر حضرت اسحٰق بھٹی صاحب کی کتاب صوفی عبداللہ ﷫ کے بارے میں شائع ہوئی۔بار بار پڑھی اور ان کی عظیم یادگار کو جا کر دیکھنے کی تڑپ اور بڑھی۔لہٰذا ۱۰/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو وہاں جائے بغیر چارہ نہ تھا۔

ٹیلی فون کی بہ کثرت فراہمی نے بہت سے فاصلے مٹا دیئے ہیں اور وقت کو سکیڑ کر رکھ دیا ہے اور ہمارے محترم شیخ محمد آصف صاحب جو کہ جامع منانیہ وزیر آباد کی انتظامیہ کے کلیدی افراد میں ہیں، اس کا بہترین استعمال جانتے ہیں۔انہوں نے فیصل آباد میں مولانا کو صبح ساڑھے ۹ بجے کا ٹائم دیا اور ہم چار لوگ بحمد اللہ حضرت کے در دولت پر ٹھیک وقت پر موجود تھے۔راقم کے ساتھ اس سفر میں محترم شیخ محمد آصف صاحب،

محترم محمود اختر صاحب سنیئر نائب صدر انجمن تاجران وزیر آباد اور شیخ آصف صاحب کے سیکرٹری و معتمد خاص میاں مختار احمد صاحب تھے۔

مولانا ندوی نے اپنے گھر پر مختصر مگر جامع چائے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جس سے فیض یاب ہو کر ہم اس پیکر اخلاص و مجسمہ اخلاق ہستی کے ساتھ عازم جامعہ تعلیم الاسلام ہوئے۔ راستے ہمارے لیے نئے اور ان دیکھے تھے۔لیکن کچھ زیادہ ہی ٹیڑھے میڑھے تھے۔ چناں چہ تقریباً دو گھنٹے میں ہم جامعہ پہنچ چکے تھے۔ راستے میں مولانا کی رفاقت میں ان کی شخصیت کی عظمت کا اندازہ ہوتا رہا۔ ان کے علم، وسیع معلومات، معاملہ فہمی اور وسیع مشرب ہونے نے ہمارے دلوں پر گہرے نقوش چھوڑے۔

جامعہ کے انتظامی دفاتر کے درمیان درختوں کی گھنی چھاؤں میں چار پائیاں بچھی تھیں۔ ایک کرسی اور میز بھی رکھی تھی اور وہاں حضرت مولانا عائش محمد استراحت فرما رہے تھے۔ چند لمحوں بعد قاری حفیظ الرحمٰن صاحب بھی تشریف لے آئے۔ پر زور مصافحوں اور جان دار معانقوں کے بعد تبادلہ حال احوال کیا۔ حضرت ندوی چوں کہ طویل سفر سے کچھ تھک چکے تھے وہیں آرام فرمانے لگے اور محترم قاری حفیظ الرحمٰن صاحب کے ساتھ ہمیں فرمایا کہ جامعہ کا دورہ کر لیں۔

سب سے پہلے رئیس الجامعہ کے دفتر کے پہلو میں سایہ دار درختوں کے نیچے ہمیں بتایا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جسے حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نہ کوئی کتبہ نہ قبر کی حد بندی۔ نہ ہی پچ جانئے کہ قبر کا وجود زمین سے نصف بالشت بھی اوپر نہیں ہے۔ وہاں محترم قاری صاحب کی اقتدا میں دعائے مغفرت کی۔ قبر شریف کو دیکھ کے بے ساختہ مونہہ سے نکلا ع

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

دعا کے بعد محترم قاری صاحب کی رہنمائی میں ہم نے ایک ایک کر کے جامعہ کے تمام شعبے دیکھے۔ کلاس رومز میں اساتذہ طلباء کو پڑھا رہے تھے۔ یہ امر خوشی بلکہ حیرت کا باعث تھا کہ تمام دو گھنٹے کا عرصہ جو ہم نے وہاں گزارا ہمیں کوئی ایک طالب علم بھی کسی راہداری یا میدان میں نظر نہیں آیا۔ تمام کے تمام اپنی اپنی کلاسوں میں مصروف تھے۔

ویسے تو جامعہ ایکڑوں میں پھیلی ہوئی ایک عظیم درس گاہ ہے جس کا نقشہ لفظ ''اللہ'' پر بنایا گیا ہے۔ کہیں سے ایک منزلہ، کہیں دو منزلہ اور کہیں اس سے زیادہ ہے۔ تمام کمرے، سیڑھیاں، برآمدے روشن، صاف ستھری، کوئی گرد، غبار یا جالا ہمیں نظر نہیں آیا۔ سب سے زیادہ متاثر کن حصہ لائبریری ہے جہاں ایک حصہ میں صرف عربی کتب، دوسرے میں عربی اور دیگر زبانوں میں صرف دینی کتب اور تیسرا خالص لائبریری ہے جس میں زبان و ادب کی تقریباً تمام اصناف کتاب موجود ہیں۔ ایک حصہ میں تبرکات ہیں جس میں ہمارے بزرگ حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ اور مولانا عمر دین وزیر آبادی کی کتب محفوظ ہیں۔ ایک نہایت اعلیٰ قدر وہاں یہ دیکھی کہ تمام کتب کی فہرست موجود ہے۔ اور ان پر لائبریری کا کیٹلاگ نمبر موجود ہے۔ ایک اور نایاب چیز وہاں دیکھی کہ اخبارات وہاں محفوظ کیے گئے ہیں۔

جامعہ کا کچن اور کھانے کا ہال، طہارت اور غسل خانے، کھیل کے میدان سب نہایت مناسب اور خوش کن ہیں۔ سڑک کی دوسری جانب نو تعمیر شدہ وسیع اور خوب صورت مسجد ہے جو ایک عظیم ہال اور ایک طویل برآمدہ پر محیط ہے۔ نیچے تہہ خانہ بھی ہے۔ بجلی چوں کہ زندگی کا لازمی جز لیکن آنی جانی چیز ہے اس کے لیے ایک طاقتور جنریٹر بھی موجود ہے۔ تمام سیر کے بعد نماز ظہر کی اذان کان میں پڑی۔ الحمدللہ اساتذہ اور طلباء کے ہمراہ نمازِ ظہر ادا کر کے دفتر واپس ہوئے، چائے تیار تھی اس سے لطف اندوز ہوئے۔ قاری حفیظ صاحب ہمارے تاثرات قلم بند کرانے کے لیے Visitior Book لے آئے۔ یہ امر ہمارے لیے بصد فرحت و انبساط تھا کہ وہ کتاب ہمارے سامنے رکھی جا رہی ہے جس میں عالمی شہرت کے اصحاب علم و اقتدار کے تاثرات درج ہیں۔ اپنی بے علمی اور بے بضاعتی پر افسوس ہوا کہ ہماری کیا حیثیت کہ یہاں اپنے تاثرات درج کریں چوں کہ حکم تھا حکم عدولی ممکن نہ تھی صرف ایک فقرے پر اکتفا کیا جو دسویں جماعت میں انسپکٹر آف سکولز مرحوم سیّد شبیر احمد صاحب نے میری نقشہ کشی کی کاپی پر لکھا تھا ع

رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو!

اور بس، اس پر حضرت ندوی نے فوراً فرمایا یہی وہ جذبہ ہے جس پر یہ ادارہ قائم ہے۔ ہمارے شیخ صوفی صاحب فرمایا کرتے تھے ع

جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

قبل اس کے کہ ہم واپسی کی اجازت چاہتے ہم نے کچھ تحائف اور محترم شیخ محمد آصف صاحب سے مالی معاونت پیش کی، جو بزرگوں نے بخوشی قبول فرمائی۔

واپسی کے لیے اٹھے ہی تھے کہ فرمایا آیئے آپ کو اپنے آمدن وخرچ کا شعبہ دکھائیں۔ تمام تفصیلات بھی بتائی گئیں۔ الحمدللہ ایسی Well Maintained تھیں کہ وہاں مالی بے ضابطگی کا کوئی ڈر نہ تھا۔ حضرت کے کہنے پر اکاؤنٹنٹ اور کیشئر صاحبان نے رجسٹر، روکڑ اور نقدی جو موجود تھی گن کر پوری کر کے دکھائی۔

ہمارا واپسی کا سفر بھی طویل تھا۔ چناں چہ احباب جامعہ سے اجازت چاہی انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ہمیں رخصت کیا۔ دفتر مالیات سے باہر نکلے تو ایک خوبرو نوجوان عالم دین اپنی خوب صورت کار کے ساتھ کھڑے ٹیلی فون پر کسی سے ہم کلام تھے۔ وہ فارغ ہوئے تو حضرت نے ان کا تعارف بطور ناظم شعبہ تبلیغ فرمایا۔ بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملے۔ جامعہ سے باہر نکلنے سے پہلے میں یہ عرض کرتا چلوں کہ وہاں کسی بھی شخص میں نخوت، تکبر، خود نمائی یا پروٹوکول کی اسیری نظر نہ آئی۔ صاف ظاہر ہے کہ بقول اقبال یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی۔ میرے خیال میں یہ دونوں تھیں اور بقول سعدی ع

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد!

والا معاملہ بھی بدرجہ اتم تھا۔

جامعہ پر ایک الوداعی نظر ڈال کر اپنے راہبر کے ساتھ عازم فیصل آباد ہوئے۔ کافی فاصلہ تک جامع کی بیرونی دیوار، مارکیٹ اور پھر زرعی زمین نے ہمارا ساتھ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جامعہ کے ذرائع آمدنی معقول ہیں اور ہم کسی اہل زر کے محتاج نہیں تاہم احباب مجھے بھی ماہِ رمضان میں چندہ کی کاپی تھما دیتے ہیں۔ میں کسی کے پاس نہیں جاتا۔ لوگ میرے پاس خود آ کر اپنا حصہ ڈال جاتے ہیں۔ رسید بک میں ہم نے دیکھا کہ مبلغ بارہ لاکھ سے زیادہ چندہ ان کے ذاتی کنبہ نے دیا ہوا تھا!!

مزے اور رواداری کی ایک حسین مثال یہ دیکھی کہ جامعہ کی چار دیواری جہاں ختم ہوتی ہے وہاں ایک کنال اراضی میں ایک پختہ جامع مسجد واقع ہے جو بریلوی حضرات کے زیر انتظام ہے۔ حضرت نے بتایا کہ یہ جگہ ہم نے ہی انہیں دی ہوئی ہے کہ جو چاہو ہمیں کہہ لو ہم سنیں گے اور دعا دیں گے۔

قریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد فیصل آباد شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت نے فرمایا چلو آپ کو جامعہ سلفیہ بھی دکھا دیں۔ یہ ہمارے بزرگوں مولانا داؤد غزنوی، مولانا اسمٰعیل سلفی، مولانا عطاء اللہ حنیف، حاجی اسحٰق حنیف اور میاں فضل حق کی بنا کردہ ہے۔

جامعہ سلفیہ پہنچے تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ خوب صورت علماء وطلباء اجلے لباسوں میں خوش شکل اور صحت مند نوجوان باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ ہمیں بھی ان کے ساتھ نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت نے ایک طالب علم سے پوچھا رئیس الجامعہ پروفیسر یٰسین ظفر کہاں ہیں؟ اس نے اشارہ کیا وہ پچھلی صف میں موجود ہیں۔ میں نے اسے کہا جاؤ بیٹا انہیں بتاؤ کہ مولانا ندوی تشریف لائے ہیں۔ حضرت نے فوراً روکا، مولانا نہیں بلکہ صرف ندوی کے آنے کا بتا دیں۔

چناں چہ اس کے بتانے پر حضرت رئیس نے تپاک سے مولانا ندوی کا استقبال کیا۔ ہمیں بھی اپنا تعارف کرانا پڑا۔ جناب رئیس ہمیں انتظامی بلاک میں اپنے دفتر میں لے گئے۔ مشروبات سے تواضع فرمائی اور لگاتار پندرہ منٹ کی گفتگو میں جامعہ کا سارا نظام ہمارے سامنے رکھ دیا۔ ان کے اندازِ گفتگو اور معاملات پر ان کی گرفت سے محسوس ہوا کہ صحیح کام کے لیے صحیح شخص تعینات کیا گیا ہے۔ خاص خوشی اس بات پر ہوئی کہ اہل حدیث ادارہ میں اب قراءت وتجوید کا کمال اہتمام ہے جب کہ پہلے ان

پر دیوبندی اور بریلوی حضرات کی اجارہ داری تھی۔

جامعہ کی عالی شان عمارت، طلباء کی کثرت اور شان دار زیر تعمیر مسجد کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کیوں نہ یہ سارا اہتمام شہر سے باہر کسی شارع جدید پر کیا جاتا۔ ہوسکتا ہے کبھی اس عمارت کو بھی کوئی کھلا رستہ ملتا ہو۔ اب تو حالت یہ ہے کہ پوچھنا پڑتا ہے جامعہ سلفیہ کیا اسی گلی میں ہے؟ اور گلی میں متفرق قسم کی ٹریفک کا اژدھام خاصی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ بہرحال یہ ان لوگوں کے سوچنے کی چیز ہے جنہوں نے کروڑوں روپے ایک گلی میں لگا دیے!!

جامعہ سلفیہ کو دیکھنا زندگی کا ایک ہی دن میں دوسرا خوشگوار تجربہ تھا۔ اللہ کرے ہمارے اسلاف کے لگائے یہ چمن سدا بہار رہیں، آمین۔

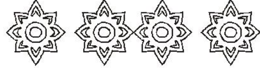
جامعہ سے وداع ہو کر ہم نے حضرت ندوی کو ان کے حکم کے مطابق ان کے بچوں کی دوکان پر چھوڑا اور اس طرح ایک یادگار سفر ایک عالی شان ہم سفر اور زندگی کے ایک ناقابل فراموش دن کا اختتام ہوا۔

اس سارے سفر کا حاصل ''مطالعہ'' جناب عبدالقادر ندوی کی ذات والا صفات ہے۔ اسی مرد درویش کے بارے میں حضرت اسحٰق بھٹی نے لکھا ہے کہ جب وہ کشاں کشاں جناب عبدالقادر ندوی کو ملنے گئے تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ عبدالقادر زیادہ اور ندوی کم ہیں۔

میری ناقص رائے میں ان کی زندگی اور ظاہری صورت کا یہ پہلو سب سے تابناک ہے کہ وہ عبدالقادر ہیں اور ندوی کم! خالص ندوی ہوتے تو ان میں تکلف زیادہ اور عبدالقادر پن کم ہوتا۔

الحمد للہ موصوف بزرگوار ایک خالص درویش اور خدا پرست انسان ہیں۔ ۸۵ سال کی عمر میں پورے بیدار مغز اور صاحب الرائے اور صائب الرائے ہیں۔ انہوں نے ۵۵۰ کلومیٹر میں سے نصف سفر بلا توقف ہمارے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر دو جیم شحیم اشخاص کے درمیان بخوشی بیٹھ کر کیا۔ سارے سفر میں کہیں ایک قطرہ پانی تک طلب نہیں کیا بلکہ ہم اپنے علم و معلومات سے نوازتے رہے۔ اور جب ہم انہیں الوداع کہہ رہے تھے تو بس ایک ہی فقرہ سب کی زبان پر تھا:

جا بابا تینوں ربّ دیاں رکھاں



بقیہ ...... علامہ سید سلیمان ندویؒ

جس میں مستند تاریخی شہادتوں سے واضح کیا کہ ''تاج محل کا معمار درحقیقت نادر العصر استاد احمد معمار ہے۔ جو ہندسہ اور ریاضیات کا بڑا عالم تھا۔''

سیّد صاحب نے اکتوبر ۱۹۲۵ء کو مدراس کی تعلیمی اسلامی انجمن کی دعوت پر ''سیرتِ نبوی'' پر آٹھ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات بقول مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی رحمہ اللہ سیرت نبوی ﷺ کا جوہر ہیں اور ''خطبات مدراس'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

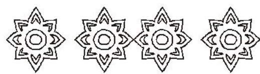
مارچ ۱۹۲۹ء میں ''عرب و ہند کے تعلقات'' کے عنوان سے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی فرمائش پر ''پانچ خطبات'' ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سیّد صاحب کی وسعت معلومات اور تلاش و تحقیق کا نمونہ ہیں۔

مارچ ۱۹۳۰ء حکومت بمبئی کے شعبہ تعلیم کی فرمائش پر ''عربوں کی جہاز رانی'' پر چار لیکچر دیئے۔ یہ لیکچرز سیّد صاحب کی تحقیق اور تاریخ میں یگانہ عہد ہونے پر سنگ میل ہیں۔

جون ۱۹۴۶ء میں بھوپال کے قاضی القضاۃ اور جامعہ مشرقیہ کے امیر کے منصب پر مامور ہوئے۔

۱۴ جون ۱۹۵۰ء کو پاکستان منتقل ہو گئے۔ حکومت پاکستان نے دستور سازی کے سلسلہ میں اسلامی بورڈ کے نام سے علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا۔ اور سیّد صاحب کو اس بورڈ کا صدر مقرر کیا گیا۔

سیّد صاحب نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ کو کراچی میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون



علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

عبدالرشید عراقی

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ دبستان شبلی کے گل سر سبد تھے، اور علوم اسلامیہ میں ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند تھا اور اپنے علم وفضل اور سیرت وکردار کے اعتبار سے پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، متکلم بھی تھے اور معلم بھی، خطیب بھی تھے اور مقرر بھی، ادیب بھی تھے اور نقاد بھی، مبصر بھی تھے اور دانشور بھی، شاعر بھی تھے اور صوفی بھی، مصنف بھی تھے اور صحافی بھی، فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی، اور سب سے بڑھ کر آپ ایک عظیم سیرت نگار بھی تھے۔

غرض اُن کے قلم کی جولانیوں سے کوئی میدان بھی محروم نہیں رہا۔ ادب وتنقید کا میدان ہو، یا تاریخ وسیر کا، سیاسی موضوعات ہوں یا دقیق علمی بحثیں، ہر موضوع پر ہر وقت اُن کا اشہب قلم یکساں جولانی دکھاتا تھا۔

سیّد صاحب بطور مصنف ایک بلند مرتبہ ومقام پر فائز تھے۔ تاریخی کتابوں میں ''ارض القرآن''، ''عرب وہند کے تعلقات''، ''عربوں کی جہاز رانی''، ادبی کتابوں میں ''خیام'' اور ''نقوش سلیمانی''، سوانح میں ''سیرت عائشہؓ'' اور ''حیات امام مالک''، اور سیرت رسول ﷺ میں ''سیرت النبی'' اور ''خطباتِ مدراس'' سیّد صاحب کے وہ لازوال کارنامے ہیں، جو ان کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ علاوہ ازیں ان کے دینی، علمی، تاریخی، تنقیدی، تحقیقی، ادبی اور سیاسی مقالات اور مکاتیب بھی ان کے علم وفضل، تحقیق وتنقید اور وسعت نظر کے آئینہ دار ہیں۔

سیّد صاحب صحافت کے میدان میں بھی امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ کئی سال تک وہ ماہنامہ ''الندوہ لکھنؤ''، ہفت روزہ ''الہلال کلکتہ'' کے سب ایڈیٹر اور ماہنامہ ''معارف اعظم گڑھ'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بہت نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اُنہوں نے الندوہ، الہلال اور معارف میں کثرت سے علمی ودینی اور تاریخی وتحقیقی اور ادبی وتنقیدی مقالے لکھے، جو ان کے علم وفضل، ذوق مطالعہ اور وسعت معلومات کا آئینہ دار ہیں۔

سیّد صاحب کی ادبی وعلمی صلاحیتوں کا ثبوت اور ان کی ہمہ گیری الندوہ کی سب ایڈیٹری کے زمانہ میں ہی آسمانِ صحافت پر نمودار ہو چکی تھی۔ لیکن ان کی بہت زیادہ شہرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ ''الہلال'' سے ہوئی۔ الہلال مختلف حیثیتوں سے صحافت میں ایک نیا باب تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ہماری سیاسی، صحافتی اور ادبی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ الہلال کی شہرت وعظمت کا سہرا مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغہ شخصیت کے سر ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ الہلال کی مقبولیت وشہرت میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا بڑا اور نمایاں حصہ رہا ہے۔ جب تک سیّد صاحب ''الہلال'' سے وابستہ رہے وہ ''الہلال'' کا عہد زرّیں تھا۔

سیّد صاحب ۲۲/نومبر ۱۸۸۴ء مطابق ۲۳/صفر ۱۳۰۲ھ بروز جمعۃ المبارک صوبہ بہار کے ایک قصبہ دیسنہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ کے ایک معلم خلیفہ انور علی سے حاصل کی۔ اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے برادر بزرگ سیّد ابوحبیب سے پڑھیں۔ ۱۸۹۹ء میں پٹنہ تشریف لے آئے۔ وہاں آپ نے عربی کی بعض کتابیں مولوی محی الدین سے پڑھیں۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور یہاں پانچ سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ ندوہ میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم میں اکتسابِ فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا مفتی عبداللطیف سنبھلی، مولانا سیّد علی زینی، مولانا شبلی فقیہ

جیراجپوری، مولانا حفیظ اللہ اعظمی، مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، مولانا حکیم سیّد عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم بنائے گئے۔ تو اپنی جوہر شناسی سے اس جوہر قابل کو تاڑ لیا اور سیّد صاحب کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا۔ علامہ شبلی کے ظل تربیت میں سیّد صاحب کو مضمون نگاری کا ذوق پیدا ہوا اور ماہنامہ ''الندوہ'' مئی ۱۹۰۵ء میں ان کا پہلا مضمون ''علم الحدیث'' شائع ہوا۔

۱۹۰۶ء میں سیّد صاحب نے ندوہ سے سند فراغت حاصل کی تو علامہ شبلی نے ''الندوہ'' کی سب ایڈیٹری ان کے سپرد کر دی۔ آپ ۱۹۱۲ء تک بعض درمیانی وقفوں کے ساتھ بتفصیل اس منصب پر مامور رہے۔

۱: از ۱۹۰۶ء تا مارچ ۱۹۰۸ء

۲: از اگست ۱۹۰۸ء تا فروری ۱۹۱۰ء

۳: از اگست ۱۹۱۱ء تا مئی ۱۹۱۲ء

جولائی ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے ''الہلال'' جاری کیا۔ جس نے ملکی سیاست میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ سیّد صاحب مئی ۱۹۱۳ء میں الہلال کی مجلس ادارت میں شامل ہو گئے۔ اگست ۱۹۱۳ء میں مسجد کان پور کے بعض حصوں کے جبری انہدام کا حادثہ فاجعہ پیش آیا، جس میں بے گناہ مسلمانوں اور معصوم بچوں پر بے دردی سے گولیاں چلائی گئیں۔ اس خونی سانحہ سے متاثر ہو کر سیّد صاحب نے ۱۲/اگست ۱۹۱۳ء کے الہلال میں اپنے خون دل سے ''مشہد اکبر'' کے عنوان سے ایک دردانگیز مضمون لکھا۔ حکومت نے اس کی تاب نہ لا کر اس شمارہ کو ضبط کر لیا۔

۱۹۱۳ء کے اواخر میں سیّد صاحب الہلال سے مستعفی ہو کر دکن کالج پونا میں عربی و فارسی کے اسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔ پونا کے قیام کے دوران ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی نعمانی کا انتقال ہو گیا۔

علامہ شبلی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دارالمصنّفین کے قیام کا خاکہ تیار کر لیا تھا۔ مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکے تھے۔ سیّد صاحب نے ان کی وفات کے بعد پونا کالج سے علیحدگی اختیار کی اور اعظم گڑھ تشریف لے آئے۔ اور جون ۱۹۱۵ء میں مولانا مسعود علی ندوی کے انتظامی امور، اور مولانا عبدالسلام ندوی کے علمی اشتراک سے دارالمصنّفین کی بنیاد ڈالی اور اپنی مشہور تصنیف ''ارض القرآن'' کی پہلی جلد شائع کی۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں سیّد صاحب نے دارالمصنّفین کا آرگن ماہنامہ ''معارف'' جاری کیا۔ جس کی ضیاپاشی سے دنیائے علم آج تک منور ہے۔

سیّد صاحب نے برصغیر کی علمی و دینی اور سیاسی تحریکات میں بھرپور حصہ لیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا آپ نے ان تحریکات میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ ۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ تو سیّد صاحب نے اس میں علماء اور ارباب سیاست کے درمیان حلقہ اتصال کا کام کیا۔

دسمبر ۱۹۲۰ء کے اجلاس کانگرس منعقد ناگپور میں سیّد صاحب شریک ہوئے اس اجلاس میں ''ترکِ موالات'' رزولیوشن کی توثیق کی گئی تھی۔ ۱۹۲۱ء کے اجلاس کانگرس منعقدہ احمد آباد گجرات میں بھی سیّد صاحب نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں آپ کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں سلطان عبدالعزیز آل سعود نے شریف حسین کو شکست دے کر حجاز پر قبضہ کر لیا۔ تو وہاں جمہوری اور شرعی حکومت کے قیام کی کوشش اور سلطان ابن مسعود و شریف حسین کا تنازعہ طے کرانے کے لیے مجلس خلافت نے علامہ سیّد سلیمان ندوی کی قیادت میں ایک وفد حجاز بھیجا۔ اس وفد کے دوسرے ارکان مولانا عبدالقادر قصوری اور مولانا عبدالماجد بدایونی تھے۔

اپریل ۱۹۲۷ء میں سیّد صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور کی دعوت پر اس کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ مولانا ظفر علی خاں کے ہاں قیام کیا اور علامہ اقبال سے پہلی ظاہری ملاقات ہوئی۔ اپریل ۱۹۳۳ء میں دوسری بار ادارہ معارف اسلامی لاہور کے پہلے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے کی تھی اور سیّد صاحب نے ''لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا'' کے عنوان سے ایک تاریخی و تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ [باقی حصہ صفحہ نمبر ۲۳ پر]

جھولی چک!

حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی (ایڈیٹر ترجمان الحدیث، فیصل آباد)

کارکن ہمیشہ اپنے لیڈر کے لیے رطب اللسان رہتا ہے۔ اور ہر وقت اپنے قائد کی خوبیوں اور اچھائیوں کو ہی نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف کارکن ہی نہیں بلکہ عقیدت مند بھی ہوتا ہے۔ اس کا لیڈر کس قدر نکما، نالائق اور پھوڑ قسم کا ہی کیوں نہ ہو، وہ اسی کے نعرے لگاتا ہے۔ اس کی تعریف کرتا ہے۔ اور باقی تمام لیڈروں سے اسے ہی اچھا سمجھتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اسے اپنے لیڈر سے عقیدت ہوتی ہے۔ اور کبھی اس عقیدت کے شیشے میں بال آ جائے تو پھر وہی لیڈر اس کے لیے گلیوں کے تنکوں سے بھی حقیر بن جاتا ہے اور یہ وہ ورکر اور کارکن ہوتا ہے۔ جو صرف کام کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسے نہ کسی عہدے اور منصب کی طلب ہوتی ہے نہ وہ کسی پرمٹ، پلاٹ کا خواہاں ہوتا ہے۔ البتہ وہ اپنے کام کی تحسین چاہتا ہے اور عزت نفس کو باقی رکھتے ہوئے شاباش کا متمنی ہوتا ہے۔ اگر اسے لیڈر کی طرف سے یہ مل جائے تو پھر بے شک اسے ذبح ہی کر دیا جائے وہ اف تک نہیں کرتا۔ لیکن ایسے ورکر اور کارکن اس نفسا نفسی کے عالم میں خال خال نظر آتے ہیں اور کارکن کی قدر کرنے والے لیڈر تو شاید ہمارے مذہبی وسیاسی لیڈروں کی موجودہ کھیپ میں سے کوئی عدسہ لگا کر ہی تلاش کرنا پڑے ورنہ اکثریت ایسی ہے کہ ورکر کو استعمال کرتے ہیں، کام بھی لیتے ہیں۔ لیکن صحیح سمجھنے کے باوجود بخل کی انتہا کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کیا کیا ہے اس سے تو یہ کام نہ ہی کیا جاتا تو اچھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ایک کارکن اور لیڈر کی قسم بالکل اس کے برعکس ہے جو مختلف ناموں سے پہچانی جاتی ہے۔ ایسے کارکن (جھولی چک) اور لیڈر خوشامد پسند اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی "یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا" (وہ پسند کرتے ہیں ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کیا ہی نہیں) کی عملی تصویر ہوتے ہیں۔ اور یہ قسم آپ کو ہر جماعت، پارٹی، علاقے، گروہ اور زمانے میں وافر مقدار میں مل جائے گی۔ یہ کارکن نہ اپنی تنظیم سے مخلص ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے لیڈر سے۔ اس کے سامنے صرف وقتی اور ذاتی مفاد ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے بعض اوقات وہ خوشامد کرنے میں امانت و دیانت، اخلاقیات حتیٰ کہ ایمان وایقان کی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اپنے لیڈر کو خوش کر کے اس سے وہ مطلوبہ مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ اتنے پاپڑ بیل رہا ہے۔ کبھی تو وہ اپنے لیڈر کو ہی پارٹی کے بانیوں کے برابر لا کھڑا کرتا ہے۔ اور کبھی ان سے بھی بڑھانے سعی لاحاصل کرتا ہے۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ کئی لوگ اپنے لیڈر کو قائد اعظم ثانی کہتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے لیڈروں کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے رہے کہ اتنی عوامی حمایت تو قائد اعظم کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ جتنی میرے لیڈر نے حاصل کی۔ اور کئی آج بھی اپنے لیڈر کی برتری ثابت کرنے کے لیے قائد اعظم کی ڈگریوں کو جانچنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سارا کچھ اس معاشرے میں ہو رہا ہے۔ اور ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ کہ ایسے لوگ ہر پارٹی، تنظیم اور جماعت میں کامیاب ہیں۔ اور وہ اپنے مفادات کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہیں۔ البتہ مخلص کارکن چاہے وہ کسی سیاسی پارٹی کا ہو یا مذہبی جماعت کا، صحیح مشورہ دینے والا اور حقیقت حال سے آگاہ کرنے والا ورکر خواہ وہ قربانیوں کا پتلا ہی کیوں نہ ہو، وہ نہ صرف نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بلکہ اسے کھڈے لائن لگا دیا جاتا ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں قومی سطح سے لے کر گلی محلے کی حد تک آپ کو ہر پارٹی اور جماعت میں مل جائیں گی۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے ذاتی، دنیاوی اور عارضی معمولی سے مفاد کے لیے پستی کی

انتہا تک جا پہنچتا ہے اور اس بات کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس سے میرا ایمان بھی سلامت رہ جائیگا یا نہیں؟ ایسا ہی ایک واقعہ گذشتہ روز گجرات میں پیش آیا اور یہی واقعہ ان سطور کی تحریر کا باعث بنا۔ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی گجرات تشریف لائے جب میزبان نے ان کو خطاب کے لیے اسٹیج پر بلایا تو یہ شعر پڑھے۔

حسن اور حسن کی پہچان کو لے آئے ہیں
ملک کے قیمتی انسان کو لے آئے ہیں
لوگ تو یوسف کنعان کی دیتے ہیں مثال
اور ہم یوسف ملتان کو لے آئے ہیں

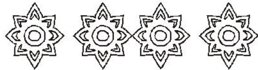
ان میں پہلا شعر تو شاید کسی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا کہ ممکن ہے میزبان ان کا راز دان ہو ویسے بھی امریکی اداکارہ انجیلنا جولی کی جو رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے وہ وزیر اعظم کی شخصیت و کردار کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن دوسرا شعر جو ہے اس میں تو سراسر اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کریم بن کریم بن کریم بن کریم'' (کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود عزت والے ہیں۔ ان کے باپ یعقوب علیہ السلام بھی عزت والے ان کے دادا اسحٰق علیہ السلام بھی عزت والے اور ان کے پردادا ابراہیم علیہ السلام بھی عزت والے ہیں۔) کی سخت ترین توہین اور گستاخی ہے جس کا ارتکاب گجراتی میزبان نے کیا ہے اور توہین رسالت کا تصور بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ نامعلوم یہ گجراتی کوئی چودھری ہے یا غیر چودھری۔ کیوں کہ اپنے کردار کی وجہ سے ''چودھری'' خوشامد کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے بلکہ ضرب المثل ہو گئے ہیں۔

بہر حال یہ جو کوئی بھی ہے اسے وزیر اعظم کی خوشامد میں اس حد تک بے شرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا کہ ایک برگزیدہ ہستی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین و گستاخی کا ارتکاب ہی کر بیٹھتا۔ اب اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور اپنے اس جرم کی معافی مانگے۔ اس سے بھی بڑھ کر افسوس وزیر اعظم پر ہو رہا ہے جو اپنے نسب پر فخر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ

''کہ میں غوث الاعظم کی اولاد میں سے تو رہوں گا۔''

وہ بھی اپنے میزبان کی اس جسارت پر خاموش رہے اور انہوں نے روکنا ٹوکنا تو درکنار اسے سمجھانے تک کی کوشش بھی نہ کی۔ ان کی خدمت میں صرف قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ جو لوگ اپنے (برے) افعال پر خوش ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے کچھ نہ کرنے پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔ سو ان کو آپ یہ خیال نہ کریں کہ عذاب سے چھوٹ گئے (نہیں) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

[آلِ عمران: ۱۸۸، پارہ: ٤، رکوع: ۱۰]



مضمون نگار حضرات سے گزارش

ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے مضامین نگار حضرات وخواتین سے گزارش ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

① ...... مضمون کاغذ کے ایک طرف اور خوش خط تحریر فرمائیں۔
② ...... مضمون صاف ستھرا لکھا ہوا اور اصل مسودہ ہونا چاہیے۔ فوٹو کاپی بھیجنے سے گریز کریں۔
③ ...... جو مضمون الاعتصام کے لیے ارسال فرمائیں دیگر جرائد میں اسے نہ بھیجیں۔
④ ...... مضمون با مقصد، با حوالہ اور مدلل ہونا چاہیے۔
⑤ ...... مضمون حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔

امید ہے مضامین نگار دفتر الاعتصام سے مکمل تعاون کریں گے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ .

[ادارہ الاعتصام]

مکاتیب محمد صلاح الدین مدیر ''جسارت'' اور ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی

بنام مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

کراچی ۱۳ر جون ۷۹ء

مکرمی ومحترمی مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ مارچ میں ایک دن کے لیے مدینہ منورہ آنا ہوا لیکن آپ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا میں نے مسجد نبوی میں اور بعدازاں چشمہ والے بزرگ محترم کے ہاں آپ کو تلاش کیا لیکن آپ اس دن غالباً جدہ گئے ہوئے تھے اس لیے ملاقات کی حسرت ہی رہی۔

اس وقت ایک معاملہ میں آپ کو زحمت دینے کی جسارت کررہا ہوں۔ اس خط کے ساتھ ایک صاحب کی درخواست برائے داخلہ منسلک ہے۔ آپ ذاتی طور پر دلچسپی لے کر ان کے داخلہ کی صورت پیدا کیجیے۔ درس نظامیہ کے فارغ ہیں۔ حافظ قرآن ہیں اور قاری ہیں۔ میٹرک کررہے ہیں۔ سیرت وکردار کے لحاظ سے بہت پاکیزہ آدمی ہیں۔

ہمارے محلّہ کی مسجد میں کئی سال سے خطیب وامام ہیں۔ ان کے اصل مہر والے کاغذات میں نے فیاض الدین کو دیئے تھے وہ آپ کو ریاض سے ارسال فرمادیں گے۔ اس سلسلہ میں مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے مطلع فرمائیے۔

ملک کے حالات سے متعلق کیا لکھوں، تشویش واضطراب کا غلبہ ہے ہم لوگوں کے لیے دعا کرتے رہا کیجیے۔ تمام دوستوں اور شناساؤں کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد صلاح الدین

مؤرخہ ۱۷ر فروری ۸۶ء

محترمی ومکرمی مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا خط مؤرخہ ۲۹ جنوری موصول ہوا۔ میں چوں کہ متحدہ عرب امارات کے دورے پر گیا ہوا تھا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ معذرت خواہ ہوں۔

آپ نے تکبیر کے لیے جو کلمات تحسین ارشاد فرمائے ہیں اور مجھے اور ''تکبیر'' کو جن مخلصانہ دعاؤں سے نوازا ہے، میں ان کے لیے آپ کا انتہائی ممنون وشکر گزار ہوں۔ محترم خرم جاہ مراد صاحب کے خط کا لب ولہجہ حقیقتاً ان کے معروف مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ خود میرے لیے ان کی یہ تحریر حیرت انگیز بھی تھی اور اذیت ناک بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور باہمی ربط میں بدگمانی کی بجائے خوش گمانی اور حسن ظن پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ نے ماچھی گوٹھ کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن اس کام کو وہی لوگ خوش اسلوبی سے انجام دے

سکتے ہیں جواس اہم اجتماع میں شریک تھے اوراس کا براہِ راست مشاہدہ رکھتے ہیں۔ایک بار عرفان غازی صاحب نے اس داستان پر قلم اٹھانے کا وعدہ کیا تھا،لیکن وہ اپنے عزم کوعمل کی صورت نہ دے سکے۔میری تجویز یہ ہے کہ آپ کسی بھی ایک متعلقہ شخص کو یہ ذمہ داری سونپیں اور پھر تمام حضرات اس کا جائزہ لیں،تا کہ خودان کے درمیان یہ رپورٹ متنازع نہ رہے۔اس کا ایک مختصراور متفقہ متن مجھے ارسال فرمائیں۔میں ان شاءاللہ اسے تکبیر میں من وعن شائع کروں گا۔اس پرمحترم مولانا امین احسن اصلاحی بھی نظر ڈال لیں تو اس کی وقعت اوراہمیت میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔

آپ سے ایک نیازمندانہ درخواست ہے کہ اپنے خطوط کے لیے کاغذ کی اس حد تک کفایت نہ فرمائیں کہ پوری تحریرالجھ کر رہ جائے۔اور عبارت کا سلسلہ قائم کرنے میں دشواری پیش آئے۔شکریہ

والسلام، نیازمند

محمد صلاح الدین، مدیر تکبیر، کراچی

۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء

محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا خط مؤرخہ ۲۲ اگست مجھے یہاں ۱۹ اکتوبر کوموصول ہوا۔سانحہ بہاول پور پر آپ کے احساسات اس ملک کی کثیر آبادی کے جذبات سے ہم آہنگ ہیں۔دینی حلقوں کو قریب تر لانے اور متحد کرنے کی کوششوں میں حتی المقدور میں نے بھی اپنا کردارادا کیا ہے اوراس کے کچھ نتائج بھی سامنے آ گئے ہیں۔

آپ نے مفاہمت والے مضمون پر جس تبریک وتہنیت سے نوازا ہےاس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔اللہ تعالیٰ میرے حق میں آپ کی مخلصانہ دعائیں قبول فرمائے۔تکبیر کے ساتھ یہاں جو کچھ ہوااس کا خسارہ جماعت ہی کے حصے میں آیا۔ ہر معقول، شائستہ مہذب اور بااخلاق آدمی نے اس کی مذمت کی اور میرے پاس وابستگانِ جماعت اور ہمدردانِ جماعت کے خطوط کا انبار لگ گیا۔آپ نے ماضی کے جس واقعہ کا حوالہ دیا ہے وہ بھی میرے علم میں ہےاور نہایت افسوس ناک ہے۔

قاضی حسین احمد صاحب کے بیان مذمت کا دوسرا فقرہ اداریہ میں شائع ہو چکا تھااس لیے میں نے دوبارہ اس کا صرف حوالہ دیا، متن کا اعادہ نہیں کیا۔

مغربی جمہوریت کے نقصانات اپنی جگہ،لیکن ہمارے یہاں تو وہ بھی موجود نہیں۔مروّجہ نظام انتخابات اکثریت کے بجائے اقلیت کواقتدار دلانے کا ذریعہ بنا ہوا ہے اگر یہی نقص دور ہو جائے تو بھی نتائج بہتر ہو سکتے ہیں۔جمہوریت کو یکسر مسترد کردیا جائے تو تشکیل حکومت کا ہمارے پاس کیا ذریعہ رہ جاتا ہے۔اگر غیر جماعتی انتخابات اس کا بدل ہیں تو پھر اسے جمہوریت کے علاوہ کوئی اور نام دینا ہوگا۔اس موضوع پر میرا منسلکہ کتابچہ ملاحظہ فرمائیے۔مجھے آپ کے تبصرہ کا انتظار رہے گا۔

آج کل انتخابات کی گہما گہمی ہے اس لیے مضامین کے بجائے تازہ ترین رپورٹیں ہی شائع کی جارہی ہیں۔انتخابات کے بعد ہی مضامین کی گنجائش نکل سکے گی۔

والسلام، آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین، مدیر

۱۳/اپریل ۱۹۸۹ء

محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کا خط مؤرخہ ۳۱ مارچ موصول ہوا۔ سلمان غازی مرحوم کے انتقال کی خبر مجھے دو دن بعد اسلام آباد ہی میں مل گئی تھی اور میں عرفان غازی صاحب کے گھر جا کر ان سے تعزیت کر آیا۔ آپ سے رشتہ کا علم مجھے اس خط کے ذریعے ہوا، آپ کی خدمت میں بھی جذبات تعزیت و ہمدردی پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر عظیم سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات کا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ لیکن فیصل آباد آکر جلد اس کی تلافی کروں گا۔ تصاویر کے سلسلے میں آپ کے کلمات نصیحت کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں نے آپ کے ہر خط کا جواب دیا ہے۔ حیران ہوں کہ گزشتہ خط کا جواب آپ کو کیوں نہ مل سکا۔ تصاویر کے سلسلے میں کافی احتیاط برتی جاتی ہے۔ تاہم اس سے گریز کی مزید ضرورت ہے البتہ نیوز میگزین ہونے کی بنا پر تکبیر نیوز پکچرز سے یکسر خالی تو نہ ہو سکے گا۔ خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیے۔

والسلام، آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین، مدیر

۱۸/مئی ۱۹۸۹ء

محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا خط مؤرخہ ۱۷ اپریل مجھے ۲ مئی کو موصول ہوا۔ آپ کا مضمون کتابت کے لیے دے دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ کسی قریبی شمارے میں شائع ہو جائے گا۔

عاصم الحداد مرحوم سے اچھی عربی جاننے والے اور دین کا زیادہ وسیع علم رکھنے والے لوگ موجود ہیں لیکن میرے دل میں ان کی اصل قدر و منزلت ایک نہایت عمدہ انسان کی حیثیت سے ہے۔ مرحوم کی سیرت سازی میں آپ کے فیض نظر کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے بحیثیت استاد آپ بھی لائق تحسین ہیں۔ اللہ آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے۔

آپ کے مضمون میں ابتدائی زندگی کے جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ یقیناً عاصم الحداد مرحوم کے حلقۂ احباب میں دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

چراغ راہ کے مسعود عالم نمبر میں شائع شدہ عاصم صاحب کے مضامین کی تلاش میرے لیے خاصی دشوار ہے۔ یہ تحریریں آسانی سے مل گئیں تو ضرور شائع کی جائیں گی۔ ہماری ایک مشکل یہ ہے کہ ''تکبیر'' حالات حاضرہ کی گرفت میں جکڑا ہوا ایک نیوز میگزین ہے جس میں اس نوعیت کے مضامین کی گنجائش کم ہی نکل پاتی ہے۔ صدر ضیاء الحق شہید کے بارے میں آپ کی تحریر میری میز تک نہیں پہنچ سکی اور ثروت جمال اصمعی صاحب کا کہنا ہے کہ وہ ان کی نظر سے بھی نہیں گزری۔ خدا جانے یہ درمیان میں کہاں غائب ہو گئی۔

آپ کا ایک خط ۳/اپریل کو بھی موصول ہوا تھا جس میں شیونگ کریم کے اشتہار پر آپ نے توجہ دلائی تھی۔ شیونگ کریم تو میں خود بھی استعمال کرتا ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ کریم کو پوری داڑھی صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جائے؟

خواتین کی تصاویر صرف نیوز کی حد تک شائع کی جاتی ہیں اب اگر ملک کی وزیر اعظم ایک خاتون ہو اور سینئر وزیر اس کی ماں، تو ایسے ملک میں

خواتین کی تصاویر سے مکمل اجتناب کیسے ممکن ہے؟

والسلام، آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین

۳۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔ آپ کا ۱۵/اکتوبر کا خط برادرم سالم کے ذریعہ گھر پر مل گیا تھا لیکن مجھ سے ملاقات نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے آپ کے ارسال کردہ ۲۷۵ روپے اس وقت نہیں دیے تھے تاہم پرسوں پہنچا گئے ہیں اور میں نے دفتر میں جمع بھی کرا دیے ہیں۔ رسید اس خط کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔

اشتہارات کے حوالے سے تکبیر کی پالیسی پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے، صلاح الدین صاحب آپ کے ایک گزشتہ خط کے جواب میں، اس سلسلے میں تکبیر کا موقف، مجبوریاں اور ضرورتیں واضح کر چکے ہیں۔ علماء کنونشن میں آپ نے جو مقالہ پڑھا تھا، ارسال فرما دیجیے گا، ان شاء اللہ شائع ہو جائے گا۔

دعاؤں میں یاد رکھنے کی انتہائی درخواست ہے۔ آپ کراچی تشریف لائے تو ان شاء اللہ حاضر خدمت ہونے کی کوشش کروں گا۔

والسلام

ثروت جمال احمد

دفتر کے پتے پر آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا ہے، دونوں خطوط صلاح الدین صاحب نے بھی پڑھ لیے ہیں۔ اُن کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

۲۷/نومبر ۱۹۸۹ء

محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ آپ کا خط مؤرخہ ۱۴ نومبر موصول ہوا۔ ان شاء اللہ تقریر کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لی جائے گی۔ آپ نے جو شمارے طلب فرمائے ہیں وہ ارسال کیے جا رہے ہیں۔

آپ نے میرے مضمون کے سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کیا قومی، صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے لیے کھڑے ہونے والے امیدواروں کے لیے بھی کردار کی شرائط ہوں گی یا نہیں؟ آپ کا یہ سوال دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ آپ مجلس شوریٰ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے ہیں۔ آپ کی نظر سے یہ بات کیسے اوجھل رہ گئی کہ امیدواروں کی شرائط اہلیت تو پہلے ہی آئین کے آرٹیکل ۶۲ میں طے کی جا چکی ہیں اور اسی آرٹیکل کے مؤثر نفاذ کے لیے ہم نے وفاقی شرعی عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا جس کا فیصلہ ۱۶/اکتوبر کو سنایا گیا۔ اس کا متن ادارتی تبصرے کے ساتھ تکبیر میں شائع ہو چکا ہے۔ حیرت ہے آپ ہنوز اس سے بے خبر ہیں۔ آپ نے مشورہ دیا ہے کہ اس سوال کا جواب میں تکبیر میں دوں تاکہ ناظرین استفادہ کر سکیں۔ میرا خیال ہے کہ تکبیر کے جملہ قارئین وناظرین اس سے پہلے ہی مستفید ہو چکے ہیں اور ان کے ذہن میں ایسا کوئی سوال موجود نہیں۔ اس لیے بس آپ کو حقائق سے مطلع کر دینا کافی ہے۔

میرا مسئلہ یہ نہیں کہ جماعت کی رائے کل کیا تھی اور آج کیا ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ پچاس سال کے عملی تجربات اور حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں اب اس کی رائے کیا ہونی چاہیے۔ انقلاب بذریعہ جمہوریت مطلوب ہے تو یہ حقیقت فراموش نہ کی جانی چاہیے کہ میدانِ جنگ میں ایک فرد دس کو شکست دے سکتا ہے، سو پر بھاری پڑسکتا ہے، دو آدمی سرنگ لگا کر پورا قلعہ فتح کرسکتے ہیں، لیکن میدان انتخابات میں ایک ووٹ سے دو ووٹ کو شکست نہیں دی جاسکتی۔ جمہوریت بقول اقبال گننے کا نام ہے تولنے کا نہیں، یا تو اسے کلیتاً مسترد کیجیے یا اس کے تقاضے پورے کیجیے دوسرا کوئی راستہ موجود نہیں۔ ڈاکٹر اسرار صاحب یا کوئی اور داعی انقلاب اسلامی، یہ سب اپنی محنتوں اور اخلاص نیت کا اجر تو آخرت میں ضرور پالیں گے لیکن اپنے فلسفۂ سیاست سے دنیا میں بھی کوئی نتیجہ حاصل کرسکیں گے، ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

آپ کی دعاؤں کا شکرگزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رہنمائی فرمائے۔

والسلام

آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین

۱۳/اپریل ۱۹۹۳ء

محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کا خط مؤرخہ ۷/فروری موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ علالت، بیرونی سفر اور کچھ دیگر مصروفیات کے باعث جلد جواب نہ دے سکا۔ آپ نے جن محبت آمیز کلمات اور پرخلوص دعاؤں سے نوازا ہے میں اس کے لیے آپ کا شکرگزار ہوں۔

جماعت المسلمین کا اگرچہ پنجاب میں ابھی کچھ زیادہ اثر نہیں ہے لیکن کراچی میں یہ فتنہ خاصہ پھیل چکا ہے اور اس کے متاثرین میں جماعت کے بہت سے مخلصین بھی شامل ہیں۔ میں ایسے موضوعات پر کم ہی توجہ دیتا ہوں لیکن جب انتہائی قریبی دوستوں کے متاثر ہونے کا احساس ہوا تو پھر اس پر اس طرح قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ معاملہ ایک ہی بار صاف ہوجائے۔ الحمدللہ اس کا اچھا اثر ہوا اور میرے پاس متعدد افراد نے آ کر اور بہت سوں نے بذریعہ خطوط اپنے تائب ہونے اور راہِ راست پر آنے کی خوشخبری سنائی۔

میں ہمیشہ یہ کھلے دل سے اعتراف کیا کرتا ہوں کہ میں کوئی عالم دین نہیں ہاں دین کا درد رکھنے والا انسان ضرور ہوں کسی گمراہی کو دیکھتا ہوں تو اپنے محدود علم اور توفیق کے مطابق ہی اس پر قلم اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں، اس میں سہو اور خطا کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ لیکن اللہ میری حسن نیت کے طفیل میری قلت علم کا پردہ ڈھانپ لیتا ہے اور کسی نہ کسی حد تک میری تحریر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جس سہو پر توجہ دلائی ہے اس کی تصحیح تو میں اگلے شمارے میں یعنی شمارہ نمبر ۹ میں کرچکا ہوں، بعض علما اور احباب کی نظر سے یہ وضاحت نہیں گزری اس لیے ان کی طرف سے خطوط کا تانتا بندھا رہا۔ چناں چہ میں نے ایک حالیہ شمارہ میں اسے ازسرنو شائع کردیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وضاحت آپ کی نظر سے بھی گزر چکی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آنکھ کی تکلیف سے جلد از جلد صحت یاب کرے تا کہ آپ املا کرانے کے بجائے خود ہی مطالعہ اور تحریر کے قابل ہوسکیں۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے اور خصوصیت کے ساتھ یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ہر فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے۔

والسلام، آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین

بے چارگی دل

افسردہ ہے اِک شام ابھی رات سے پہلے
اس دل کو ذرا تھام، ابھی رات سے پہلے

ملنے کے ترے لاکھ تلاشے ہیں بہانے
دوچار تھے کچھ صورتِ حالات سے پہلے

اب قطع تعلق پہ جنھیں ناز بہت ہے
کچھ ان کے مراسم تھے مری ذات سے پہلے

اے میرے خدا خیر مرے کچے مکاں کی
دیکھو تو ادھر بھی ذرا برسات سے پہلے

یہ کشتۂ تسلیم و رضا ہیں ترے عاشق
لیتے ہیں ترا نام جو ہر بات سے پہلے

تو سامنے آیا ہے تو اب یاد نہیں ہے
کچھ کہنے کا سوچا تھا ملاقات سے پہلے

کچھ ان کی اداؤں کا بیاں چاہیے عرفانؔ
بے چارگی دل کی مناجات سے پہلے

[عرفان اللہ عرفان]

---

10 تا 16 دسمبر 2010ء......(1759)......03 محرم الحرام 1431ھ